
تصوف

نہ کاتب نہ مکتوب ماند بسے
برائے فنا ہست شد ہر کسے

عجائبات عالم

موسوم بہ

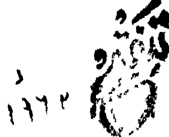
یادگار علوی

در مطبع نامی مطلع العلوم مرادآباد بحسن اہتمام الیس ابن علی مالک مطبع طبع شد

نمبر ۱۱۹ از سنہ ۹۶ عیسوی

۷ جز

محاسن عالم
موسوم بہ یادگار علوی



بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

مجکو تھوڑی سی تاقدر زندگی میں یہہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ کبھی گنہگار بھی
ایسے خیال میں محو ہو جاتے ہیں کہ اونکو دیکھکر یا اونکی باتوں کو سنکر گذشتہ صالحین
کی حکایتیں پیش نظر ہو جاتی ہیں اگرچہ حقیقت میں اون خیالات کے نہ وہ عامل ہیں
نہ اونکی قدر اونکے دل میں قایم رہتی ہے صرف اتنا ہی ہوتا ہے کہ روحی
بصیرت یا ایمانی نور بجلی کی طرح آن واحد کے واسطے اونکے قلوب میں چمک
کر خیر شاہتے لیکن ممکن ہے کہ کبھی اسی روشنی میں اونکو بھی اپنی حالت سے اپنی زندگی کا
حیہ نظر آجاسے کیونکہ تغیرات جو مختلف زمانوں میں انسان کو نصیب ہوتے ہیں وہ
ہر سکے فنا ہونے کی دلیل ہیں۔ جو وقت یا جو حالت پاتے ہیں اوسکو دوبارہ نہیں
دیکھتے اور جس ذائقہ کو نہیں چکھا اوسکا نہ مزہ زبان پہ ہے نہ اوسکے حصول کی
دل میں کوئی حسرت ہے بلکہ مشکل یہہ ہے کہ ہمارا تجربہ ہمیں کو مجموعہ حرص بتارہا ہے
اور ہر دشوار کا آسان ہوجانا امید دلاتا ہے کہ جو کچھ انسانی خیال میں پیدا ہوتاہے

اوسکا حاصل ہونا بھی ممکن ہے اسلیئے اوسکے نہ ملنے سے راحت میں بھی تکلیف رہتی ہے اور توکل کا صبر اور تقدیر کا انتظار ہماری امیدوں سے دور رہتا ہے

قدرت کا نظام جو ہمارے روبرو ہر وقت ہو رہا ہے اوس سے ہم سمجھتے ہیں کہ تغیرات اور فراغت مساوی درجہ کے ساتھہ منقسم نہیں ہیں اور اس میں بڑی حکمتیں پائی جاتی ہیں سب سے زیادہ سریع الفہم حکمت تو یہی ہے کہ آدمی ہاتی نشیں اوسیوقت ہو سکتا جبکہ ایک شخص فیلبانی کو سلطنت کا ذائقہ تصور کر کے اختیار کرتا سلطنت کا سلسلہ بھی رعایا کے ساتھہ ہی وابستہ تھا ہر درجہ کی مخالف کی قوت برابر ہونے سے نظام عالم موجودہ عنوان کے ساتھ ہر گز قایم نرہتا اگر جوانی کے بعد بڑہاپا نہوتا اور بڑہاپے کے بعد موت نہ آتی تو خدائی پر یقین کرنا مشکل ہوجاتا انکے علاوہ ہزاروں بدیہات کے مشاہدے سے بزرگوں نے لکھا ہے ؎

ہر کسے را بہر کارے ساختند — در طبیعت میل او انداختند

میرے تجربہ میں اپنے سے زیادہ فارغ البال کی صحبت یا اونکی خوشنمائی کا نظارہ انسان کو ترقی کے خیالات میں محو رکہتا ہے یہہ بھی قدرت کا اک سحر یا کرشمہ ہے کہ ایک طرف ہماری حرص بلندی کی طرف کھینچے لیئے جاتی ہے۔ دوسری طرف سے تقدیری نوشتوں کی تاثیریں اگر آگے نہیں بڑہنے دیتیں تو آخر زور کرنے کرتے ہماری عمر کا رشتہ ہی ٹوٹ جاتا ہے اگر حرص اختیار نکریں تو عالم اسباب معنی اور تدبیر انسانی کے لوازم موہوم ہوئے جاتے ہیں بلکہ میں خیال کرتا ہوں کلیتہً اسکو اختیار کرنا ناممکن ہے اسلیئے مشیت ایزدی نے ہماری آیندہ عمر کی حالت کو ہمسے اسی غرض سے چہپا رکھا ہے کہ ہم اچھے وقت کے آمد کی التجا کریں اور آفت ارضی و سماوی کی تکلیفوں سے پناہ طلب کرتے رہیں۔ یہہ اصول اس غرض سے قایم ہوا ہے کہ خالق و مخلوق اور قادر و عاجز میں بدیہی فرق ظاہر ہوتا رہے

یا یہہ کہنا چاہیئے کہ انسانی اعمال اور اوسکا اخلاق اور قدرت کا قانون ایسی بیخبری کے ساتھ مشروط ہے۔ ایسی حالت میں ہماری وہ کوشش یا حرص جو قانون قدرت کے قاعدوں سے تجاوز کرے ہماری عاجزی کی دلیل ہے جو کسطرح مشیت کے خلاف نہیں اور جسطرح ہم یہہ نہیں جانتے کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے اسیطرح ہم اس سے بیخبر ہیں کہ مرنے کے بعد دنیا میں ہمارا ذکر ہماری ذات کے لیئے کہانتک سودمند یا بیفائدہ ہوگا مگر جو لوگ انسانی اسباب کی رعایت سے اپنی ترقیوں کے خواہاں ہیں جو اونکے علم سے خارج ہے وہ ہمت بھی نادر رکھتے ہیں کہ اونکے بعد اونکا کوئی عمل مخلوق خدا پر خیر کے ساتھ موثر ہوتا رہے یا اونکی ذکر یا کسی قسم کا چرچا انسانی گوش و زباں کے لئے باقی رہجائے بعض آدمی کوتہ اندیش اسکے خلاف یہہ کہتے ہیں سے ہمیں کیا جو دنیا میں میلے رہے اگر قبر میں ہم اکیلے رہے۔ ایسے تنگ خیال کے آدمی عالم کی خوشنمائی پر خاک ڈالنے کی کوشش کررہے ہیں۔

خالق قدرت ہمکو یقین دلا رہا ہے کہ انسانی اخلاق کی تکمیل بلاشبہ صرف ہمدردی اور حق شناسی پر منحصر ہوچکی ہے اور اسی قانون سے ثابت ہوتا ہے کہ خیر ہر حالت میں فاعل کے لیے موجب خیر ہے بلکہ مشیت کا تقاضا یہہ ہے۔ کہ اچھے کام اور نیک اخلاق کی کہانیاں دنیا میں رواج پاتی رہیں حتیٰ کہ خود بھی گذشتہ صالحین کی حکایتیں سنا سنا کر مخلوق کو اپنی طرف خداوند عالم نے متوجہ رکھا اور واقع میں مختلف تذکرہ بہت کارآمد ہوتے ہیں کیونکہ ترسنے والی نسلیں محتاج ہوتی ہیں اور اونکی آنکھیں شباب یا سن شعور تک اس امید کے ساتھ کھلی رہتی ہیں کہ ہم کیا کریں اور کیا نکریں وہ بیچارے بہت دور سے آتے ہیں بڑی پیچ سے نکلتے ہیں اور دفعتاً ایسی جگہہ پہونچ جاتے ہیں کہ خود بھی نہیں جانتے ہیں۔

کون ہیں کدھر سے آئے کہاں اگئے یہی قانون قدرت جسکا ذکر ہو رہا ہے لاکھوں عجائبات کی تحقیقات ہزاروں قسم کے تجربات اور بے شمار اقوال کا مجموعہ اونکے روبرو پیش کر دیتا ہے اور رفتہ رفتہ یہی دستور العمل شادنی و ناشدنی سے آگاہ کر دیتا ہے ۔

آدمی خود ایک حیرت ہے اور اوسکی ہستی دوسروں کے واسطے عبرت مگر لذات غیر محدود اور تعلقات بے اندازہ نے ایک ایسے شغل میں ہر شخص کو لگا رکھا ہے کہ ہم نہ آپ کو دیکھتے ہیں نہ دوسروں کی اصلی حالت نظر آتی ہے ورنہ معمولی طرز زندگی کے آدمی کو واقعات پر بھی غور کرنے سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ اوسنے اپنی حیات میں کیا کیا اور کسقدر جلد عروج و نزول کے مقامات کو طے کر گیا اور کس طرح خاک ہونے کو تیار بیٹھا ہے بعض آل اندیش نگاہیں اندازہ کرتی ہیں کہ ایک وہ زمانہ ہے کہ بڑی آرزو کے ہجوم میں دانت نکلتے ہیں اور ایک وہ حالت ہے کہ وہی دانت اگر خود نہیں گرتے تو زبردستی اوکھاڑ کر باہر پھینک دئے جاتے ہیں وہی جسم جو صابون سے دُھلتا تھا اپنی سی پیاری زمین میں داب کر گھر لوٹ آتے ہیں ۔ ع حوالہ کرتے ہیں سب ہی کو دبا کے مٹی میں ہمکو تنہا کوئی ہمارا نہ ہم کسیکے یہی کیسے بازار میں تھا

میں بھی مثل ایک سیاح یا مسافر طلسم حیرت میں گھوم رہا ہوں اور جو کچھ دیکھ رہا ہوں وہ انواع انواع اقسام کی حیرت کا نمونہ ہے بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ بدون سمجھے ہوئے اونکی تاثیریں نہیں ہوتیں نہ قلب اوس سے کچھہ مذاق حاصل کرتا ہے حالانکہ شام و سحر کا وجود ہی ہماری محویت کے لئے آئینہ ہیں جو ہر چیز اور ہر انسان میں بھی ہر وقت ظاہر ہوتی رہتی ہیں انسانی شام تو موت کا پیغام ہے لیکن اوسکی سحر کا حال لکھنے کے قابل ہے سبحان اللہ مرد و عورت ایک بچہ کی آرزو میں اول مقاربت اختیار کرتے ہیں بلکہ یہہ کہنا چاہئے کہ قدرتی جوش سے اکثر یہہ اتصال ہوا کرتا ہی

اور اسکے بعد مشیت کا ارادہ پورا ہو جاتا ہے کیونکہ قطرات ذکور کا رحم اناث میں رہجانا اتفاق پر محمول نہیں ہے بلکہ سب سے پہلا چکر جو انسان کو دیا جاتا ہے اوسکا یہی موقعہ ہے جبکہ اوسکی صورت کا ذرہ ایک قطرہ میں تیر رہا تھا پھر وہی ذرہ تغیرات پذیر ہو کر کچھ سے کچھ بننے لگتا ہے کبھی پانی تھا اب منجمد ہو کر گوشت کی شکل پیدا ہوگی جس میں بالآخر ہڈیاں اور پٹھے بنکر دست و بازو نمایاں ہو گئے لیکن تاہم کچھ نہ تھا ایک مٹی کا کھلونا یا کسی بُری بہلی تصویر کا ڈھانچہ تھا۔ جب اس میں کچھ اور پھونکدیا گیا تو تھرتھراہٹ ہوتے ہوتے انسانی حرکت ہونے لگی

قول مصنف

کبھی قطرہ میں گردش تھی اور اب صحرا میں تگی ہے
مجھے حیرت ہے ہستی پر کہ کل کیا تھی اور اب کیا ہے

تھوڑی مدت میں وہ ذرہ آدمی کی صورت بنکر دنیا میں وارد ہوگیا اسلئے نوواردوں کو دنیا والوں کی یادگاریں وصیت اور نصیحت کا کام دیا کرتی ہیں گو وہ کتنے ہی ضعیف خیال کے ساتھ مرتب کی گئی ہوں مگر کم از کم اونکو ضعیف و قوی خیال کا تجربہ ہی ہو جاتا ہے میری اس یادگار سے جسطرح میری طبیعت کا مذاق اور اکثر دنیا کے حالات معلوم ہوتے ہیں اوسیطرح میرے عقیدہ اور میرے خیال کی فراخی و تنگی ظاہر ہو رہی ہے البتہ ابتدا میں جوشرافت اور ایک بستی کے حالات تاریخی درج کیئے گئے ہیں وہ بظاہر غیر متعلق معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقتاً غیر متعلق نہیں ہیں اسلئے کہ جو شخص اپنے حالات کا مجموعہ آیندہ نسلوں کی آگاہی یا تعلیم کے لئے چھوڑتا ہو اوسپر لازم ہے کہ اپنے نسبی تحقیقات کو مقدم کرے کیونکہ جو امر اسوقت صرف سینوں میں محفوظ چلا آرہا ہے اوسکو تحریر میں لے آنا بھی اوسکی نگہداشت کا سبب ہے

اور یہہ تحقیقات اصلی مسکن کی آبادی کے حالات سے وابستہ ہے۔ خدا اس یادداشت کو دانستہ غلطی اور سہو النسانی سے محفوظ رکھے۔

اس یادگار میں کچھہ نظم بھی شامل کی گئی ہے لیکن حقیقت میں وہ نہ شاعری ہے نہ میں خود شاعر ہوں بلکہ فقرا کی صحبت اور اونکی زبانوں سے عشق و محبت کی باتیں سن سن کر طبیعت میں کسیوقت مستانہ یا وحشیانہ پن پیدا ہوجاتا ہے اور وہی اثر طبیعت کو تُک بندی پر آمادہ کردیتا ہے یہی وجہ ہے کہ میں اپنے کلام کو فصاحت و بلاغت کا مجموعہ نہیں سمجھتا بلکہ اسکو بھی اپنی طبیعت کی یادگار ہی تصور کرتا ہوں۔

راقم

تہور علی۔ ۲۰۔ رمضان المبارک سنہ ۱۳۲۲ھ

مطابق ۲۹ نومبر سنہ ۱۹۰۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسولِ عزیز حمایص علیک حبیبِ شفیع سلام علیک

آدم علیہ السلام جب دنیا میں تشریف لائے تو ان کا نہ کوئی نسب تھا نہ نام بلکہ وہ اپنے جنس کے نام سے موسوم تھے یعنی آدم کہلاتے تھے اون میں قدرتی شرافت یہہ تھی کہ اپنے خالق کو وحدہ لاشریک جانتے تھے اور آپ کو خطا وار اور مجبور یقین کئے ہوئے تھے اسی فطرت سے ازل میں وہ جمیع مخلوقات الٰہیہ میں اعتبار شرافت کو حاصل کر چکے تھے وہی فطرت اسوقت تک ہر انسان میں منقسم ہوتی چلی آرہی ہے کبھی وہ زمانہ تھا کہ صرف گنہگار بندی ذلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اب وہ ذلت ذرا ندہ اور مجبور فرقوں میں تسلیم کرلی گئی ہے یا یہہ کہنا چاہئے کہ انہیں لوگوں کو کمیں یا بد قوم کہا جاتا ہے۔

نوح علیہ السلام طوفان کیوقت جب کشتی میں سوار ہوئے تو ان کا بیٹا جو نافرمانوں میں تھا پیچھے رہگیا اونہوں نے جناب باریتعالےٰ میں عرض کی کہ خداوندا میرے اہل کا تو ذمہ دار ہو چکا ہے اسکے جواب میں خطاب کے ساتھ ارشاد ہوا کہ ہرگز یہہ تیری اہل سے نہیں ہے اس سے ظاہر ہوا کہ خداوند عالم کی نافرمانی سے انسان کسی عنایت کا مستحق نہیں رہتا اور بھی ایک صورت ہے کہ جسکی وجہ سے انسان خاندانی اہلیت سے بھی خارج ہوجاتا ہے۔ اسی اصول کے ساتھ ہمارے حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا ہے

کہ جو میرے طریقہ پر نہیں چلتا وہ مجھ سے نہیں ہے آجکل اہل مقدور کیسے ہی گنہگار کیوں نہوں۔ شریف ہی سمجھے جاتے ہیں۔ اور جنٹلمین کہلاتے ہیں۔ ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

دنیا میں انسانی ظہور سے کچھہ دن بعد اختلاف عقائد شروع ہوا یہانتک کہ خدا کا وجود اور اوسکی ہستی بھی زیر بحث ہوگی اوسکی شناخت کے طریقوں میں بھی ایک بڑا اختلاف جاری ہوگیا اور اسی اختلاف سے ضد اور حسد نے اس درجہ رواج پایا کہ ہر فرقہ کا طرز معاشرت بھی بالکل جداگانہ بنگیا اور پھر اسی عنوان سے جسقدر انسانوں میں ترقی ہوتی گئی اوسیقدر اون میں انسانی حاجتیں اور معمولی ضرورتیں پیدا ہونے لگیں اور چونکہ اونکی نگاہوں نے کوئی مثال نہیں دیکھی اسوجہ سے خود طبیعت نے جس آسان طریقہ سے ضرورت موجودہ کو رفع ہوتے دیکھا اوسیطرف ہر شخص کو مائل کرلیا اور باہمی اتصال وازدواج میں جو رسم ورواج معین ہوتے گئے وہ بھی ایک دستور ہی بنا گیا۔ میرے خیال میں وہ قاعدہ ہر حالت میں شائستگی اور ترتیب سے خارج تھا مثلاً سب سے پہلے جسم کا ڈہکنا ضرور معلوم ہوا اوسکے لئے درختوں کی چہال یا اونکے پتے کافی تصور کئے گئے کیونکہ عقل انسانی معلومات کلی سے ایسی آراستہ نہ تھی کہ ستر پوشی کے لئے اس سے بہتر کوئی صورت ذہن میں پیدا ہوجاتی اسیطرح اونکا اخلاق جدید ہی بے اٹکل تھا مگر ایسے وقت میں بھی ہر ایک شئے کا موجد ضرور بمقابلہ دوسرے ہموطنوں کے ذی حرمت اور قابل امتیاز ہوجاتا تھا یہانتک کہ اوسکے خاندان کے آدمی بھی ممتاز ہوا کرتے تھے جسطرح آجکل کسی بڑے حکیم کے لڑکے بھی چھوٹے حکیم جی کہلائے جاتے ہیں۔

ایک وقت میں فلسفیانہ اور حکیمانہ خیالات نے دنیا والوں میں عجیب وغریب روح پھونکدی اونہوں نے انبیا علیہم السلام کے اقوال کی ہدایات سے مخلوق کو تردید کرکے

دکھا دی اب جتنا اخلاق انسانوں کا احکام خداوندی کی تعلیم سے درست ہوا تھا
وہ سب اشتباہی حالتوں میں منتشر ہوگیا اور انسانی خودنمائی کے لئے خیالی مدارج
مقرر کرنے شروع کر دئے ۔

ہر جگہہ خصوصاً ہندوستان میں جہالت اور بے علمی نے ایسے دستورات
بھی مقرر کر لئے جو اخلاق انسانی اور معمولات قدیمانہ کے اور دستور کے ناموافق و شرم وحیا
سے بعید ہیں یا جنکو تعلیم یافتہ اشخاص قدرتی شائستگی کے خلاف قرار دیتے ہیں ۔ وہ تمام
رفتہ رفتہ ذلیل اور کمین کہلانے لگے حتیٰ کہ ایں نظر انداز فرقوں میں کوئی شخص اگر اب بھی
حسب دلخواہ تعلق پیدا کر لیتا ہے تو اوسکو خلاف العقل کہا کرتے ہیں اسوجہ سے کہ اونکا خیال ہے
خون ناقص کی آمیزش سے کسی جدید اور بے ڈھنگے عقاید یا اخلاق کا ایجاد ہونا ممکن ہے
بعض عورتیں اسی توہم سے باوجود عسرت مند رہنے کے اپنے بچوں کو ذلیل قوموں کا
دودھ پلانے سے پرہیز کرتی ہیں انہیں احتیاطوں سے اکثر مقامات پر تسلسل خاندانی
کو اپنی صفت کے ساتھ اسوقت تک قایم رکھا گیا ہے گو اچھے سے اچھے خاندان میں
اسوقت زمانہ کے طرز کیوجہ سے بعض برائیاں ایسی موجود ہیں جنکی وجہ سے انسان شرافت
کے درجہ سے پہلے گر جاتا تھا مگر رواج نے اب ذلیل اور کمین انہیں فرقوں کو بنا رکھا ہے
جو اخلاق مستحسن اور شرم و حیا کے پابند نہیں ہیں اور باوجود اسکے کہ اون میں کیسی
ہی بداخلاقی کیوں نہوں مگر ہر نامور خاندان اوسے جدا ہی نظر آتا ہے ۔

آدمی کو دنیا میں آئے ہوئے چھہ سات ہزار برس سے زیادہ زمانہ نہیں گذرا اگر تاہم
یہہ مدت اتنی بڑی ہے کہ کسی شخص کو اپنی شرافت خاندانی کا سلسلہ آدم علیہ السلام کیا
نوح علیہ السلام تک پہونچانا محال بلکہ ناممکن ہو گیا ہے حتیٰ کہ ہمارے حضور کریم علیہ الصلوۃ
والتسلیم کا نسبی شجرہ مسلسل صحت کے ساتھ حضرت اسمعیل علیہ السلام تک بس بیان کیا جاتا
لیکن یہ سچ ہے کہ اسقدر بعید حالات کے ثابت کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ ابتدا

میں بجز اختلاف عقاید کے اور کوئی تفرقہ نہ تھی مگر اوس زمانہ تک جبکہ تواریخ اور واقعات کے لکھنے کا لوگوں کو شوق پیدا ہو گیا تھا کوئی فرقہ اگر اپنی سند پہونچاتا ہو تو قرین قیاس ہے بلکہ اوس میں بھی شبہ ممکن ہے اسوجہ سے کہ درمیانی زمانہ کی راستبازی اور مسلسل تعلقات کی واجبیت کا ثابت کرنا سب سے زیادہ مشکل ہے اس لحاظ سے کہ موجودہ دستور اور طرز زندگی ہر فرقہ کا جو اک بڑی مدت سے مستحسن ثابت ہو رہا ہو ضرور اس امر کی دلیل ہے کہ اس فرقہ نے حد سے تجاوز نہیں کیا اور اوسکا خون چشمہ حیا ہے جو ایمان کی علامت ہے کسی گوشہ سے باہر بہ کر نہیں گیا۔

تواریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ خود پسندی نے کسی زمانہ میں مخلوق کو نہیں چھوڑا اور اوسی ضرورت سے ہر شخص اپنے تعلقات کی ایسی نگہبانی کرتا رہا کہ ہر ایک سلسلہ بخط مستقیم زمانہ موجودہ تک اگر پہونچا ہو تو بعید از قیاس نہیں ہے مگر ہاں ہندوستان کی آبادی دیگر ممالک سے کسیقدر جدید ہے مگر تاہم ہزار برس سے زیادہ گذر گئے کہ یہاں مسلمانوں کی آمد و رفت اول ملک گیری کے طمع سے ہوا کی اور پھر اولیا کرام کی ہمت سے اسلام میں وسعت ہوتی گئی اور یہانتک امن کی حالت ظاہر ہوگی کہ دیگر اہل اسلام بھی یہاں کی سرسبز و شاداب زمین کو آبادی کے لیئے پسند کرتے رہے۔

مورخوں کے قول سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ابتدا میں جو مسلمان یہاں آنکر رہگئے اونکے ساتھ عورتیں نہ تھیں بلکہ بیشتر اہل ہند کی عورتیں اونکے تصرف میں بطور مال غنیمت آ گئیں یا کسی موقعہ پر باہمی رضامندی سے اتصال ہو گیا۔ اسوجہ سے جہانتک غور کیا جاتا ہے صرف شرافت پدری یہاں کے مسلمانوں میں باقی ہے لیکن اس سے بھی کلیتاً انکار کرنا مشکل ہے کہ دو چار سو برس کے بعد بھی عرب یا ترکستان سے اہل اسلام معہ اپنی عورتوں کے یہاں آکر آباد نہیں ہوئے۔

اہل ہند میں قدیم سے اعتبار شرافت کو رسوم مذہبی کے ساتھ مقید کر رکھا ہے اور

اس قید میں وہ مشکل اپنی نسل کو خراب کرسکتے ہیں کیونکہ اونکے اصول میں غیر قوموں کی اتصال سے ایسا خراب نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ آدمی کو تمام خاندان والے ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیتے ہیں اور اونکی چھوت اوسکو کنہ سے زیادہ خوار کر دینی ہے یہی سبب ہے کہ بہت سی نسلیں جو ہند میں شریف مانی جاتی ہیں اور جو فی الواقع اپنی شجاعت اور سخاوت اور شریفانہ طریقوں سے اسوقت بھی صحیح النسب ہیں اپنی اپنی جگہہ قدیمانہ حیثیت سے قایم ہیں۔

اہل اسلام میں بھی قدیم سے خود نمائی؛ درشرافت پسندی کا ما دہ ہے اور اونکی فطرت جو دانشمندی سے وابستہ ہے بتقاضاء انسانی شخص میں موجود ہے اسی کی مقتضی ہوسکتی ہے کہ ہندوستان میں بہ تتبع حسن وجمال یا شرافت خاندانی کے اونہوں نے یہاں کی عورتوں سے دلچسپی اختیار کی ہوگی اس سے یہ خیال نکرنا چاہیئے کہ حسن وجمال سفید چمڑہ یا بڑی آنکہوں کا ہی نام ہے بلکہ وہ اس امر کے عادی ہیں کہ اخلاق حسنہ اور شرم وحیا کی خُو کو ایک بڑی خوبی تصور کرتے ہیں یہ اصول ہمیں یقین دلاتا ہے کہ مسلمانوں نے چھوٹی اور ذلیل قوموں میں سے کسی کو اپنا ہمجنس نہیں بنایا اور جبکہ مفتوحہ قومیں ہر طرح کی حکومت کی برداشت کو موجود ہوں تو عالی خیال فرقہ کیونکر پست ہمت بن سکتا ہے اور اب تو ایک ایسی مدت گذر گئی کہ اتحاد اسلامی جو متواتر اتصال باہمی سے خون کے دور میں شامل ہوتا رہا ہے اسلیئے ہر شخص کا رنگ اپنی اصلی حالت پر پہونچ چکا ہے اور ہزار ہا کشیدگی بعد خارجی اور ہندی ضعف واضمحلال کی کدورت اونکی طبیعتوں سے ضرور اس درجہ صاف ہوگئی ہے کہ اون میں اور اہل عرب میں صرف آب وہوا کا اثر باقی رہگیا ہے۔

یہ امر تو ثابت ہوگیا کہ ہند کے مسلمانوں کا خون غیر جنس کی صحبت سے اسوجہ سے ناقص نہیں ہوا کہ فی نفسہ شرافت عمدہ اخلاق کی نتیجوں کا نام ہے جو اہل ہند میں زمانہ

سلف سے اسوقت تک بے شبہ رائج ہے اور سچ بہی یہی ہے کہ انسان مادرزاد انسان نہیں بنتا ہے، ہاں ہوسکتا ہے عقاید ایمانی میں روشنی پیدا ہو سکتی ہے۔ اسکا بڑا ثبوت ہمکو زمانہ سلف سے موجودہ وقت تک بلا اختلاف اور اصرار کے میسر آتا ہے اسوجہ سے جس گروہ میں حیا لازمی ہورہی ہے اور بہت سے طریقوں سے مسلسل زمانہ سے اوسکی پابندی ہوچکی ہے وہ گروہ ضرور شریف النسب خیال کئے جاتے ہیں اونہیں میں اسکا ثبوت ملتا ہے کہ حیا اہل علم اور بے علم عزیزوں میں سادات کے درجہ پر مقبول ہوچکی ہی بلکہ بے علم شدت کے ساتھ اپنے متعلقین کو اوسکا پابند بنا رہے ہیں۔

ہندوستان میں ہر جگہہ بچشم غور دیکھنے سے قدرتی طور پر شرافت انسانی اور کھوٹے کھرے کی امتیاز ہوجایا کرتی ہے لیکن نفسانیت باہمی ایک آبادی میں بھی ہزارہا خیالات کی گردش سے کچھہ مدارج مقرر رکھتی ہے اور فطرتاً خود نمائی سے ایسا شیوہ ہوجاتا ہے کہ ہراک خاندان اپنے تعلق کو مقدس یا معزز یا فخر آبادی سمجھنے لگتا ہے اس میں شبہ نہیں کہ علم وفضل اور ہر گہر کا عمدہ دستور کم وبیش ایک دوسرے پر فخر رکھ سکتا ہے یا کسی اور صفت میں کچھہ امتیاز ہوجاتی ہے بعض خاندان کسی زمانہ میں ایسے آسودہ ہوجاتے ہیں کہ اونکے طرز عمل یا ہمدردی کے طریقوں سے اونکے عیوب زبان زد خلایق نہیں رہتے یہانتک کہ عام سنیوں سے وہ برائیاں بالکل محو ہوجاتے ہیں اونکو بھی بالآخر شریفانہ تعلقات نے ایسی قوموں کے ہموزن بنا دیا ہے جو کسیوقت کسی امر میں انگشت نما نہیں ہوئے لیکن ایسے میل اور اتحاد بمقتضائے رسم زمانہ اونہیں حالتوں میں ہوجاتے ہیں جبکہ کوئی نقص نسبی صرف خیالات اور توہمات بے ثبوت کا نتیجہ ہوا کرتے ہیں اور بلاشبہ ایسے توہمات سے اتحاد ہمسایہ اور وسعت زمانہ کو تنگ کرلینا مآل اندیشی سے بعید ہے گو یہ سچ ہے کہ شرافت خاندانی کو زمانہ سلف کی صورت پر قایم رکھنا ایسی ہی سختی پر منحصر ہے

جسکا نتیجہ بھی پایا جاتا ہے کہ آج ہزاروں برس گزرنے کے بعد بھی ہمکو یقین ہوتا ہے کہ جو اچھے مشہور ہیں وہ ضرور اچھے ہیں۔

ہندوستان میں بعض شخص کسی پریشانی کیوجہ سے اپنے گروہ سے جدا ہوکر لامعلوم حالت کے ساتھ اگر کہیں آباد ہوگیا گو وہ کتنا ہی شریف ہو لیکن اوس نواح میں پایۂ اعتبار سے گر جاتا ہے اور جو گروہ ایک ہی جگہہ آباد ہیں یا اونکے متعلق متعدد بستیوں میں بسے ہوئے ہیں وہ ہر طرح پر اپنی اپنی حالت پر قایم ہیں اونکو نہ کسی جدید تعلق کی ضرورت ہے نہ اون میں کوئی شبہ کرنیکا موقعہ ہے کیونکہ کم و بیش وہ ایک ہی شرافت سے ممتاز ہوا کرتے ہیں۔

میرٹھ کے ضلع میں حضرات شیخ صدیقی کی چند بستیاں قرب و جوار میں آباد ہیں اونکا طرز معاشرت جسطرح سادی ہے اوسیطرح اونکے باہمی تعلقات ایسے مسلسل ہیں کہ دیکھنے سے ایک ہی حلقۂ زنجیر معلوم ہوتے ہیں یہہ ضرور پایا جاتا ہے کہ حوادث زمانہ بیکسی اور مجبوری سے بعض حلقے کچھہ زنگ آلودہ ہوگئے ہیں جو خود نماؤں کی نگاہ میں بدنما معلوم ہوتے ہیں۔ مگر اونکو سلسلۂ زنجیر سے جدا کہنا بعید مشکل ہوگیا ہی۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اونکا رشتہ قرابت پہلے یا متوسط زمانہ میں کسی قرب و بعد کے ساتھ کہیں پیوستہ ہی نظر آتا ہے اور جب وہ ہماری طرز زندگی میں راحت و رنج کے شریک ہیں تو اونکو منصف مزاج کبھی جدا نہیں کہہ سکتے لیکن مجکو پھر پہلے زمانہ کے لوگوں کی پابندی کی تعریف کرنا پڑتی ہے کہ ان لوگوں کے تعلقات یگانگت آجتک اس ترکیب سے واقع ہو رہے ہیں کہ ہر خاندان ایک تفرق کے ساتھ ہر بستی میں آباد ہے اور اونکی نگاہوں میں ہر شخص کا نقص خاندانی رخسارہ کے تل کی مثل چمکتا ہے۔

موجودہ زمانہ میں علاوہ تحریری واقعات کے رسم و رواج اور شہرت یافتہ تذکروں پر شرافت کا انحصار زیادہ ہے کیونکہ جس خاندان میں پہلے زمانوں میں سادگی کی

خوبی یا بے علمی کی تاریکی نے حال و استقبال کو پیش زن نہیں رکھا اون میں خاندانی
تحقیقات صرف اعتبار مسلسل سے مکمل ہورہی ہے لیکن معلومات کی کثرت اور عام شہرت
پر جمہور کا اتفاق تہروں کے نوشتوں کا کام دے رہے ہیں اور اسی شہرت کی
اعتبار پر گورنمنٹ عالیہ نے اپنی رعایا کے قومی یادداشت کو مرتب کیا ہے اسوجہ سے
جو بستیاں کسی قوم کے ساتھ منسوب ہیں اون میں غلطی کا احتمال ہی نہیں ہے۔

اولدن ایک موضع ہے جو قصبہ کے نام سے ممتاز ہے اوسکی آبادی پندرہ سو نفر سے
زیادہ نہیں ہے اس میں اہل اسلام حنفی المذہب صدیقی النسب زیادہ آباد ہیں اور قرینہ
اسکا مقتضی ہے کہ اس سے زیادہ اگر کبھی مردم شماری ہوگئی ہو تو وہ ایسا وقت تھا جو
ہمارے قیاس اور عام معلومات سے بعید ہے لیکن ظن غالب یہی ہے کہ کم و بیش اسکا
بھی اندازہ قایم کرنا چاہیئے۔

مجکو بہت افسوس ہے کہ باوجود تلاش کے کسی گہر میں کوئی ایسی تاریخ یا مختصر نوشتہ
دستیاب نہیں ہوا جو پورانے واقعات ظاہر کرنے کے لیئے خود ایک شہادت ہوجاتا نہ اسکا
پتہ چلتا ہے کہ اس موضع میں مسلمان کب آکر آباد ہوئے مگر چند اوراق کرم خوردہ مولوی
تبارک اللہ صاحب مرحوم کے عزیزوں کے پاس میں نے دیکھے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ
اونکو کسنے لکھا مگر اوسکی حالت اور اس یادداشت کا مضمون یقین دلاتا ہے کہ کسی دوسری
کتاب سے ۱۲۰۵ھ ہجری میں اسکو بطور تاریخ مرتب کیا گیا تھا اونہیں پرچوں میں ایک
جگہہ لکھا ہے کہ شیخ احمد بن شیخ قطب الدین در قصبہ سراوہ تشریف آوردہ بخانہ قاضی
سکندر قریشی ساکن قصبہ مذکور کتخدا شدند ازوے دو فرزند پیدا شدند شیخ صدرالدین
و شیخ شمس الدین نواسہ ہائے قاضی سکندر اولاد شیخ صدر الدین ساکنان موضع
اولدن اند و اولاد شیخ شمس الدین سکنہ سراوہ اند۔

شیخ صدرالدین مورث اعلے ساکنان اولدن کو حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

سے بیسواں واسطہ ہے۔ ہمنے ان بیس حضرات کی عمر کا اسی اسی سال کا اندازہ کر کے ہر شخص کی ولادت باپ کی بیس برس کی عمر میں فرض کر لی اور ہر بیس برس کی تفریق کے بعد (۸۰۰) سن ہجری حاصل ہوئے اس سے ظاہر ہے کہ اس بستی میں مسلمانوں کی آمد کو

۱۔ حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ۔ ۲۰ ـ ۶۰ کم و بیش اس مدت سے زیادہ زمانہ
۲۔ حضرت محمدؒ رضی اللہ عنہ ۔ ۶۰ ـ ۲۰ نہیں گذرا اسی بستی میں ایسے لوگ
۳۔ حضرت ابوالقاسم رضی اللہ عنہ ۔ ۲۰ ـ ۶۰ موجود ہیں جو اسی برس کے حالات
۴۔ حضرت شیخ عبداللہ رضی اللہ عنہ ۔ ۶۰ ـ ۲۰ بچشم خود دیکھ چکے ہیں اور سو برس گذشتہ
۵۔ حضرت شیخ محمدؒ حارث رضی اللہ عنہ ۔ ۲۰ ـ ۶۰ کی کیفیت اپنے والدین کی چشم دید ظاہر
۶ حضرت شیخ محمدؒ ثابت رضی اللہ عنہ ۔ ۶۰ ـ ۲۰ کرتے ہیں اور یہاں دنیا کے آدمی اپنے
۷ حضرت شیخ زید رضی اللہ عنہ ۔ ۲۰ ـ ۶۰ اپنے نسب کی تحقیقات کرنے میں
۸ حضرت شیخ عبداللہ ولی رضی اللہ عنہ ۔ ۶۰ ـ ۲۰ اسقدر مستعد تھے کہ اون لوگوں نے
۹ حضرت شیخ احمد کلاں رضی اللہ عنہ ۔ ۲۰ ـ ۶۰ صدسالہ کیفیت خاندانی کو اپنے زمانہ
۱۰ حضرت شیخ محمدؒ کلاں رضی اللہ عنہ ۔ ۶۰ ـ ۲۰ حیات میں سن رسیدہ عزیزوں کی
۱۱ حضرت شیخ احمد فقہ رضی اللہ عنہ ۔ ۲۰ ـ ۶۰ اس کوشش سے معلوم کیا تھا کہ سمائی
۱۲ حضرت شیخ محمد فقہ رضی اللہ عنہ ۔ ۶۰ ـ ۲۰ حال پردہ چشمدید کی شکل بہ دستہ رکھتے
۱۳ حضرت شیخ ابوبکر رضی اللہ عنہ ۔ ۲۰ ـ ۶۰ تھے اس صورت میں تین سو برس کی
۱۴ حضرت شیخ احمد صوفی تارک سلطنت روم رضی اللہ عنہ ۔ ۶۰ ـ ۲۰ حالات نسبی اور شرافت خاندانی ہر شخص
۱۵ حضرت شیخ شہاب الدین امام کبیر کی رضی اللہ عنہ ۔ ۲۰ ـ ۶۰ کے سینہ میں موجود ہیں۔ درمیانی
۱۶ حضرت مخدوم فخرالدین زاہد سبز گھی رضی اللہ عنہ ۔ ۶۰ ـ ۲۰ دو چار نسبت کی غلطیوں کو معلوم کرنے کے
۱۷ حضرت مخدوم بدرالدین رضی اللہ عنہ ۔ ۲۰ ـ ۶۰ لئے قانون حفاظت خاندانی جو مسلمانوں
۱۸ حضرت شیخ قطب الدین رضی اللہ عنہ ۔ ۶۰ ـ ۲۰ کی اصل فطرت ہے بہت کافی تھا

۱۹ حضرت شیخ احمد رضی اللہ عنہ ۲۰ - ۶۰ اور میرا اندازہ اسوجہ سے بھی غلط نہیں

۲۰ حضرت شیخ صدرالدین رضی اللہ عنہ ۶۰ - ۲۰ ۸۰ ہے کہ بعد حضرت صدرالدین رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ کمی عمر کے حساب سے قریب قریب ۱۳۲۲ھ ہجری حاصل ہوسکتے ہیں ۔

حضرت مخدوم زاہد میرٹھی سے حضرت شیخ صدرالدین کو پانچواں واسطہ ہے اوسی حساب سے جو اوپر لکھا گیا (۱۸۰) برس گھٹا دینے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس خاندان کی آمد ہندوستان میں سن چھہ سو یا پانچسو ہجری میں ہوئی ہے کیونکہ حضرت مخدوم صاحب زاہد کو میرٹھی لکھا ہے اور اونکے پدر بزرگوار کو امام کبیر کی تحریر کیا ہے ۔

میرٹھ میں حضرت مخدوم کا مزار اسوقت تک مشہور ہے اور ایک حصہ اونکی اولاد کا خاص شہر میں زاہدیوں کے نام سے نامزد اور آباد ہے یہ حضرات مدت لامعلوم سے اہل اولدن سے جدا ہیں اور تخالیف مذہبی نے ہنوز اونکو جدا کر رکھا ہے اسلئے کہ وہ شیعہ ہیں اور یہاں اہل سنت والجماعت حنفی المذہب آباد ہیں گو تھوڑی مدت سے چند حضرات نے اپنا نام اہل حدیث رکھ لیا ہے لیکن اونکی بابت اس موقعہ پر ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ اونکا خیال کسی غلط فہمی پر مبنی ہے ۔

موضع اولدن کے مکانات اور تمام قطعہ آبادی کے دیہات کی سی ہے لیکن اب زمانہ کی رفتار کے لحاظ سے پختہ در و دیوار بھی نظر آتی ہیں اور روز بروز اسی خیال میں ترقی ہو رہی ہے زیادہ تر اسوجہ سے کہ حرص اور حسد ہر شخص کو نمائش ظاہری پر مجبور کر رہا ہے کسی زمانہ میں یہاں دو مسجدیں تھیں اب چار ہیں اور نفسانیت نے یہاں تک ترقی پائی ہے کہ نماز جمعہ بھی دو جگہہ ہوتی ہے حالانکہ مسئلہ شرعی سے ایک جگہہ بھی مشکل سے اجازت ملتی ہے ۔

حضرات زاہدیوں کے علاوہ چند اور خاندان بھی آباد ہیں لیکن دستور نسبتی اونکو اوس موضع کے نام سے یا اوس مقام کے نام سے جہاں سے وہ اوٹھکر یہاں

آباد ہوئے مشہور کر رکھا ہے اور جو کسی غیر جگہ کے نام سے منسوب نہیں ہیں وہ سب زاہدی خیال کی جاتے ہیں لیکن بعض تعلقات قدیم اور اکثر جدید واسطوں نے ایسا وابستہ کر دیا ہے کہ اونکے اعتبار سے اب چند خاندان کو ایک ہی گلدستہ قرار دینا چاہیے مگر قدرتی خود نمائی ابھی تک مدارج مقرر کر رہی ہے ۔

میں دیکھتا ہوں کہ بعض گھروں میں نامکمل شجرے موجود ہیں اور وہ اونکے ذریعہ سے مدعی ہیں کہ ہم زاہدی ہیں اور بعض گھر ایسے ہیں کہ جنکے پاس کوئی شجرہ یا نوشتہ نہیں ہے لیکن باہمی تعلقات اور مسلسل رشتہ داریاں جائداد غیر منقولہ کی مشارکت شہادت دے رہی ہے کہ یہ سب ایک ہی جماعت ہے جو اوراق مجکو میسر آئے وہ کسیکے لکھے ہوئے ہوں مگر اوس گھر سے دستیاب ہوئے ہیں جہاں علم و فضل کا دفتر رہتا تھا اور وعظ و پند کا طریقہ جاری تھا اسوجہ سے یقین ہوتا ہے کہ اوس میں جو کچھہ لکھا ہے وہ لغویت سے پاک ہے اور ضروری حالات کو متروک نہیں کیا گیا اوس میں یہ لکھا ہے کہ اولاد شیخ صدرالدین ساکنان اولدن اند یہ نہیں لکھا کہ فلاں فلاں خاندان ساکنان اولدن از اولاد شیخ صدرالدین اند ۔ کوئی راست باز زاہد جو عارف بھی خیال کیا جاتا ہو کسی خیال سے اپنی ایسی یادگار کو مہمل نہیں چھوڑ سکتا نہ ایسے بڑے مسئلہ کو متروک کر سکتا ہے مگر جو اوس وقت بھی کسی دوسرے مقام سے مشہور تھے وہ ضرور کاتب کی اس تحریر کے معنی سے علیحدہ ہیں ۔

اولدن حضرت شاہ مخدوم فخرالدین زاہد کی اولاد کی وہ جگہ ہے جہاں ایک بڑا حصہ اونکی یادگار کا آباد ہے قصبہ سمراوہ میں بھی چند گھر ہیں لیکن اونکی علمی و عملی ترقی کسیوقت انہیں کی باشندوں سے وابستہ تھی اور اب بھی ہے کیونکہ بعض لڑکے اسی موضع میں آکر حدیث کی درس میں شریک ہوتے ہیں اور اسی موضع کی اخلاقی کیفیت اور علمی معلومات اونکو عقائد باطلہ سے محفوظ رکھتی ہے ایسے حضرات جنکو متقدمین سے

حالات سابقہ کے معلوم کرنے کا بہت موقع ملا ہے وہ اپنی حالت موجودہ کو بڑے تاسف کے ساتھ دیکھتے ہیں وہ ہی ہمکو دکھاتے ہیں کہ یہاں علم کی درس گاہیں تھیں یہاں بزرگوں کی خانقاہیں تھیں یہاں بڑے بڑے عالم و فاضل اہل فتوی رونق بستی چشمہ ہدایت حنفی المشرب آباد تھے نہ شر تھا نہ فساد۔ نہ وہابی تھے نہ خارجی صرف اللہ والوں سے کثرہ بسا ہوا تھا یہی ایسی مقدس جگہہ تھی کہ حضرت شاہ پیر رحمۃ اللہ علیہ جنکا مزار مبارک میرٹھ میں ہے یہاں تشریف لاکر چلہ کشی کیا کرتے تھے اونکے نام سے ایک کوٹھری زمانہ حال تک بنی ہوئی تھی جو اسوقت شیخ حسام الدین کے مکان میں واقع ہے اوسکی صورت تبدیل ہوگئی ہے لیکن مجکو شیخ صاحب موصوف نے یقین دلایا ہے کہ ہمنے تبرکاً اوسکی بنیاد کو اوسکی وسعت کو بدستور قایم رکھا ہے حالانکہ یہ ایک ایسی یادگار تھی کہ جسکو دوسری عمارت میں داخل کرلینا حقیقت میں مقدس نشانات کے مٹانے کی کوشش کو اختیار کرنا ہے۔

اس بستی میں ہر قسم کے اہل کمال کی موجودگی ثابت ہوتی ہے مگر افسوس ہے کہ ایام غدر میں اہل علم کی تصنیفات اور تالیفات بھی چاندی اور سونے کے ساتھ ہی غارت ہوگئیں اور ۱۸۵۷ء کے بعد سے ہی علم کی برکتوں کو خداوند عالم نے اس بستی سے اوٹھالیا اسوجہ سے اہل فضل کی ہمکو نہ کوئی تصنیف ملتی ہے نہ اونکے کشف و کرامات کے حالات فراہم ہوتے ہیں بلکہ اونکے طرز عمل اور دستور صوفیانہ کا بھی پتہ نہیں چلتا زیادہ افسوس تو یہ ہے کہ بہت قریب ایسا زمانہ آنیوالا ہے کہ کوئی شخص اون کے افسانوں کا بیان کرنیوالا بھی بستی میں نظر نہ آئے گا۔

اس بستی میں محلہ جات حویلی۔ چوک۔ مدرسہ۔ محل میں بھی ایک ہی خاندان آباد ہے پہلے یہ خاندان جامع مسجد کے پس وپیش ہی آباد تھا لیکن خاص ضرورتوں کی وجہ سے اونکو دوسری جگہہ لینا پڑا اور چونکہ بیرونی طلبا کے لئے قیام اور مدارس کی ضرورت

تھی اسلئے اونھوں نے وسیع جگہہ میں مکانات بنائے اور سچ یہ ہے کہ زیادہ تر اہل
کمال کا مجمع اسی مقدس خاندان میں تھا آخر زمانہ میں جسکو بہت تھوڑا عرصہ گذرا ہے
مولوی تبارک اللہ صاحب جو حضرت شیخ صدرالدین مرحوم سے بارہویں پشت میں پیدا ہوئی
بڑے مشہور عالم اور نامور زاہد گذرے ہیں یہانتک کہ اس نواح میں جو اولدن سے
واقف ہے وہ مولوی صاحب کے نام کو ہی جانتا ہے اور اونکے تقدس کا بھی قائل ہے
وہ ایسے مفتی تھے کہ اہل عرب کے نزدیک بھی اونکا ہر ایک فتوی بڑی سند میں شمار ہوتا
تھا اونکی اولاد میں مولوی عبدالکریم مرحوم کو میںنے بھی دیکھا اونکے زمانہ حیات تک مجکو
کافی شعور نہ تھا مگر اونکی ذہانت اور فراست کی حکایت بچوں کی نگاہوں میں پڑی تھی اتفاق
سے یہ حضرت کسی مقدمہ دلوانے میں شہادت کی غرض سے طلب ہوئے اور بیان کرنیکے
بعد کسی مسئلہ قانونی میں بحث شروع ہوگئی مولانا نے منطقی دلائل سے دکھلا اور خود عدالت کو
خموش کر دیا حالانکہ اونکی نگاہ سے قانون حکومت اس سے پہلے کبھی نہ گذرا تھا محض فراست
اور اونکی ذہانت کے ثبوت میں ہم اس واقعہ کو پیش کرتے ہیں انکے علاوہ ہمنے اپنی
آنکھوں سے علم فارسی اور طب کے ایسے ہمہ داں ہی دیکھے جنکا جواب ٹپنہ اور دلی
تک نہ تھا اونکا اس چھوٹے سے گاؤں میں ان راستوں پر پھرنا خدا کی شان نظر آتی
تھی یہیں کیسے ادیبوں سے میرٹھ کے امیر وغریب فیضیاب تھے اونہیں میں سے میں
ایک منشی اہتمام علی کا ذکر کرتا ہوں خدا اونکو غریق رحمت کرے اونکا نام بستی میں بلکہ دور
دور تک بخطاب منشی لیا جاتا تھا جاہل آدمی تعظیماً حضرت منشی جی کہا کرتے تھے یہ خطاب
اونکو فی نفسہ اونکی قابلیت نے خود ہی دیدیا تھا یا یوں کہنا چاہیے کہ قدرت نے
اونکو اسی مقبولیت کے ساتھ ہی پیدا کیا تھا۔ اور جسطرح وہ خود نماز تہجد اور اشراق
کے پابند تھے اوسیطرح اونکے متوسل زہد وتقوی سے آراستہ تھے اونکے گھر
کی عورتیں جنہوں نے صحن مکان کے علاوہ دوسری جگہہ کو نہ دیکھا تھا اپنے عقائد میں

مضبوط تھیں۔ اونکے بیٹے حافظ ظہور عالم جو میرے اوستاد بھی تھے اچھی
فارسی جانتے تھے تہجد کی نماز صبح کی تلاوت قرآن اونکی کبھی قضا نہوتی اونکی باتوں
میں برکت تھی اونکی عادت میں سادگی اور سیدھا پن تھا وہ راستباز تھے اور خدا
ترس بلکہ یہہ کہنا چاہیئے کہ وہ نمونہ تھا جنکا حلیہ جنکی سیرت اسلامی کتابوں میں افسوں کا
کام دے رہی ہے اوسی زمانہ میں مینے میاں جی اللہ بخش۔ میاں خدا بخش کو
دیکھا یہ بھی فارسی کے اوستاد تھے اخلاق حسنہ کے معلم تھے انکی طبیعتوں سے خود نمائی
دور تھی صلح کل اونکا مشرب تھا سنت نبوی کے خوگر تھے سیدھی روش سادہ لباس
میانہ رفتار مرغوب تھی اونکا اخلاص تمام بستی کے آدمیوں پر محیط تھا دنیا پیچھے تھی
عقبیٰ کا خیال پیش نظر تھا یہہ صورتیں بھی مثل پہلے نقشوں کے مٹ چکیں مگر شکر ہے کہ
میاں جی اللہ بخش مرحوم نے اپنی یادگار اپنے بیٹے حافظ محمد خلیل صاحب کو چھوڑا
اون میں اکثر خوبیاں میاں جی موصوف کی پائی جاتی ہیں گو زمانہ کا منزل ہر شئے میں
اثر کرچکا ہے لیکن تاہم پچھلے نمونہ اونکی صورت سے نظر آرہے ہیں اسیطرح میاں
خدا بخش مرحوم کے دو بیٹوں کو میں دیکھتا ہوں اون میں شیخ حسام الدین کا ذکر
کرنے کے لایق ہے یہ علم فارسی کی تکمیل کرچکے ہیں انکو ابن الوقت کیا ابو الوقت
بھی کہہ سکتے ہیں قانونی مصالح اور عملی حکمتوں کو خوب سمجھتے ہیں خود غرضانہ اور
ناگہانی حملوں کے مقابلہ کے لیئے قدرت نے اس بستی میں انکو بطور سپر پیدا کیا ہے
اونکی آنکھوں کے روبرو ایسی بساط بچھی ہوئی ہے کہ سیدھی اور ترچھی رفتار کا ادراک
اونکو سونے کی حالت میں بھی ہو جاتا ہے وہ ایسے مستقل مزاج ہیں کہ جنسے الفت ہے
اونسے الفت ہے اور جس سے عداوت ہے اوس سے کھلی ہوئی عداوت ہے
سب سے زیادہ اہل بستی کو اب اسکا فخر ہے کہ شیخ برکت علی حافظ اور علم فارسی کے
ماہر اسلامی مسائل ضروریہ سے واقف جامع مسجد کے امام بڑوں کے لیئے نعمت بچوں کیلیئے

ادیب اس خوش نصیب بستی میں ابتک تعلیم و تلقین میں مصروف ہیں انکی عمر اسوقت
ستر برس سے زیادہ ہے لیکن حوایج ضروری اشغال لازمی وہ اوسیطرح انجام
دیتے ہیں جسطرح جوان العمر اپنے فرائض کو ادا کیا کرتے ہیں لیکن افسوس اور
حسرت ہر شخص کو اسوجہ سے دامنگیر ہے کہ جس بستی میں تیس چالیس حافظ تھے۔
اوس بستی میں اب کلام الٰہی کے حفظ کرنے کا شوق ہی معدوم ہوا جاتا ہے جس جگہہ
گہر گہر اہل علم تھے وہاں جہل ترقی پر ہے پانچ چھہ برس سے میرے بھائی برکت علی
صاحب نے جنکو پرانی خوبیوں کا نمونہ کہنا چاہیے بڑی ہمت کے ساتھ عربی مدرسہ
کا اہتمام اپنے ذمہ لے رکہا ہے لیکن شامت اعمال کیوجہ سے عام خیالات اونکی موافقت
نہیں کرتے بلکہ اہل برادری کی پست ہمتی بزبان حال کہہ رہی ہے کہ مدرسہ کی کشتی
اگر آج نہ ڈوبی تو کل ضرور ڈوبے گی۔
اب میں پہر حضرت زاہدی کا ذکر کرتا ہوں جنکو اہل عرب بھی عزت کی نگاہ سے دیکھا
کرتے تھے اب وہ ہی خاندان زوال کی حالت میں ہے نہ اون میں پہلا سا علم ہے
نہ ویسے عمل میں نہ پہلی سی فارغ البالی ہے محلہ مدرسہ خالی ہو چکا حویلی بھی خالی ہے
یہہ دونوں جگہہ گاتی ہوئی منزلیں ویرانہ نظر آرہی ہیں قدرت نے جسطرح اون میں سے
علم کی برکت کو اوٹھالیا اوسیطرح اونکی جماعت میں بھی قلت واقع ہو رہی ہے
ذکر کے قابل صرف حاجی عبدالرحیم مثل چراغ سحری باقی رہگئے ہیں اونکی دردولت
پر حسرت برستی ہے اونکی آنکھوں کے روبرو پرانے نقشے ہر وقت کھنچے ہوئے
رہتے ہیں کبھی وہ اون میں مشغول ہوتے ہیں کبھی اپنا وقت آخر یاد ہو جاتا ہے
اب اونکی یہی آرزو باقی رہگئی ہے کہ مکہ معظمہ پہونچ جائیں اور زمین کا پیوند بنکر رہجائیں۔
انکے علاوہ ایک حکیم سکندر علی صاحب کا خاندان کسیقدر عروج پر ہے اونکی
مالی قوت علمی سرمایہ بھی محفوظ ہے زمانہ موافق ہے مگر چونکہ عرصہ سے اونکا قیام ریاست

پٹیالہ میں ہے اسوجہ سے اولدن اونکے قدیمی وطن میں اونکی زینت موثر نہیں ہے یہاں کے باشندہ فخر یہ کہدیتے ہیں کہ حکیم صاحب ہماری اہل برادری اولدن کے ہی رہنے والے ہیں۔

اولدن میں عرصہ سے ایک خاندان سادات کا بلاسپور سے اوٹھکر آباد ہوا ہے اونکے تعلقات اوسیوقت سے حضرت شیوخ میں ہوتے رہے ہیں اسوقت صرف محمد یحییٰ موجود ہیں انکی تحصیل علم نا تمام رہگئی مگر انکی حیات اور یک رنگی قابل یادگار ہے انکے پدر بزرگوار سید حیدر علی صاحب کی بابت ہمنے اپنے والد بزرگوار سے سنا ہے کہ دہ روپیہ کو چٹکی سے موڑتے اور پانی کا بھرا ہوا چرس تنہا کھینچ لیتے تھے اونکی عادت کا فوٹو میں تحریر میں نہیں کھینچ سکتا بجز اسکے کہ یہ لکھدوں کہ قوت حیدری مجموعہ خیر کا نام حیدر علی رکھا گیا تھا۔

اس بستی میں بہت سے آدمی ایسے گذرے ہیں جنکا نام منشی کے لفظ کے ساتھ لیا جاتا ہے مگر اسوقت میرے بڑے بھائی یوسف علی صاحب اس قومی خطاب سے ممتاز ہیں بلکہ ہمنے اکثر حکام انگریزی کو بھی اونکا نام اسی اعزاز کے ساتھ لیتے ہوئے دیکھا ہے۔ خدا اونکی عمر میں اور نیک ارادوں میں برکت عطا فرماوے انکے علاوہ اور بھی چند آدمی گذر گئے جنکو ہمنے دیکھا اور اونکی منشی گری کو اونکی تحریروں میں نمایاں پایا۔

حضرات سادات میں سے صوفی امتیاز علی اور حافظ امداد علی کا زمانہ بھی پایا یہہ میاں راج شاہ صاحب قادری کے مرید تھے اونکی صورت سے انکے لباس سے انکے افعال سے انکے انداز سے جنید و بایزید کے حالات پیش نظر ہوتے تھے اور صحابیوں کے جن تذکروں کو ہم فسانوں کی طرح پڑھتے ہیں وہ مثال اونکی صورت میں نمایاں تھی اب اونکی جگہہ اونکے خام مزاروں کا نشان ہی نشان نظر آرہا ہے غرضکہ یہہ وہ بستی ہے جس میں عالم۔ فاضل۔ حکیم۔ منشی۔ درویش۔ حافظ۔ سادہ لوح

مصلحت شیخ ۔ سخی ۔ بہادر ۔ زورآور سپاہی آباد تھے اور اب تک کسی گھر میں
اوڑا ہوا سا نقش نظر آرہا ہے ۔

مخدوم صاحب کی اولاد میں ایک محلہ تہیہ کے نام سے مشہور ہے اوسی محلہ میں
ہمارے ماموں امیر اللہ مرحوم کا مکان ہے اس محلہ کا نام تہیہ اسوجہ سے ہوا ہے
کہ یہ لوگ مخدوم صاحب کی اولاد میں جائداد غیر منقولہ میں ایک ثلث کے حصہ دار کہے
جاتے ہیں انکے علاوہ اور لوگوں کو بھی اس خاندان سے تعلقات اور ایک جدی ہونیکا
دعوی ہے اور ممکن ہے کہ وہ دعوے غلط نہوں مگر بعض اشخاص نے جدید رشتہ داریوں
سے چشمہ نسب کو کچھہ مکدر کر لیا ہے ۔ اسکے یہہ معنی نہیں ہیں کہ اونکی شرافت نسبی ایکدفعہ فنا
ہوگئی ہے بلکہ غیر جنس کے اتصال نے اونکو اس خاندان کی اصل سے نظر انداز کردیا ہے
حالانکہ اصول کے لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ بطن ثانی دری جنسیت کو دور نہیں کرتا مگر تاہم خون
کی آمیزش ایک جدا اثر پیدا کیا کرتی ہے اور چونکہ ہر خاندان کی شرافت اور اپنا طرز عمل خاندان
والوں کو کچھہ ایسا پسند ہوجاتا ہے کہ وہ بلا کافی تحقیقات کئے ہوئے غیر جنس کے معاملات
میں ہمیشہ بدگمانی کی نگاہ رکھتے ہیں ۔ اسلئے جو شخص تعلقات غیر سے جدا ہوگیا وہ ہمیشہ
کے لئے جدا ہی ہوگیا ۔

جہانتک غور کیا گیا اور تحقیقات سے معلوم ہوا اوسکے ذریعہ سے ظاہر ہوا کہ اس بستی
میں سب سے پہلے جو مسجد بنائی گئی وہ اب جامع مسجد کے نام سے موسوم ہے
اس مسجد کو وسط آبادی میں رکھا گیا تھا اور سب اہل خاندان پس و پیش مسجد کے آباد
تھے اس مسجد کے شمال میں ہمارے مورث اعلے آباد ہوئے اور غرب وجنوب میں دیگر
حضرت آباد ہوئے مگر بعض گھر والی اونہیں ضرورتوں کی وجہ سے جو اوپر بیان ہوئیں ۔
اس مقام کو چھوڑکر وسیع جگہہ میں رہنے لگے ہمارے مکان کے پس پشت اب ایک
دوسرا خاندان آباد ہے جنکا مختلف صورتوں کے ساتھہ قبضہ مالکانہ ہوچکا ہے ہمارے

خاندان کی آبادی پس وپیش زمانہ میں دریافت نہیں ہوتی بلکہ یہہ پایا جاتا ہی کہ سب سے پہلے یہاں جو مسلمان قابض ہوئے اونہیں میں سے ایک ہم ہیں بڑی شہادت ہمکو ایک جامع مسجد سے ملتی ہے کہ جو لوگ مسجد کے پس وپیش قدیم سے آباد تھے یہہ مسجد اونہیں کی بنائی ہوئی ہی اور یہی لوگ سب سے پہلے اس بستی میں داخل ہوئے ہیں اور مسلمانوں کو سب سے پہلے جو ضرورت پیش آتی ہی وہ مسجد کی جگہہ ہی دوسری شہادت اس خاندان کے نسب کی تعلقات دے رہے ہیں ان کی رشتہ داریاں علاوہ حضرت زاہدی کے سیٹھ اور قصبہ گلاوٹی کے سادات میں بھی پائی جاتی ہیں اور اس قسم کی چند رشتوں نے اس شرف سے اسقدر متصل کر دیا ہی کہ اب سادات سے غیر جنسی اور بیگانگی موزوں نہیں رہی ۔

ہماری مورث اعلے ایک مدت سے سپاہیانہ لباس میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور اب تک انکی جرات کا ثبوت اس مشہور اور زبان زد جملہ سے پایا جاتا ہے ۔ صادق شاہی بڑی سپاہی سینہ کھول بندوق چلائی ۔ ان میں اگر کوئی نقص تھا تو یہہ کہ علم کیطرف توجہ نہیں ہوئی اور بہادری کی جوش نے تلوار کی قبضہ کو دولت جاودانی سمجھا کے اسیوجہ سے ہماری گھر میں نہ کوئی نوشتہ تھا نہ کسی شجروں کو ترتیب دیا یہ الزام اس بستی میں اہل علم اور بے علم پر سادات کے قبضہ پر ہی اسکی وجہ میں سمجھتا ہوں کہ پچھلے زمانہ میں لوگوں کو بستی میں اپنی شرافت پر ایسا بھروسہ تھا کہ اونکو اسکے متعلق کوئی نوشتہ چھوڑنا بیکار ہی معلوم ہوا اور چونکہ یہ امر اوسوقت بحث طلب ہی نہ تھا اسوجہ سی لکھنے والوں نے بھی کچھ نہ لکھا اور واقع میں یہاں کی باشندوں کی شرافت کسی نوشتہ کی محتاج نہیں ہی جہانتک اس بستی کا نام مخلوق کے کانوں میں پہونچا ہی وہیں تک انکی شرافت مسلمہ ہے اور جس خیال پر جمہور کا اتفاق ہے وہ ہی امر یقینی ہے ۔

اس بستی میں ابھی تک کسی خاندان کا سلسلہ ایسا معدوم نہیں ہوا کہ سینکڑوں برس کی مسلسل معلومات مفقود ہو جاتی بلکہ ہر شخص کو اپنے بزرگوں سے جو حالات پہونچے ہیں وہ سینہ میں منضبط ہیں دوسرا اونہیں کے لحاظ سے رشتہ داریوں کا تسلسل قایم ہونا جاتا ہی اور چونکہ ہر خاندان میں وسعت

وسعت ہی اس وجہ سے نظر انداز خاندانوں میں کسی طرح بھی تعلقات پیدا نہیں کئے جانے
اور اسی قانون نے ہر جگہ شرافت نسبی کو اب تک بچائے رکھا ہے۔

نقشہ منظری قصبہ اولدن ضلع میرٹھ

شیخ حسام الدین
حافظ محمد خلیل
محمد یحیی

اسوقت تک مینے عام بستی والوں کا ذکر کیا ہے اب میں اپنی ذات خاص کا کچھ حال لکھتا ہوں اور اس سے پہلے شجرہ خاندانی اوسوقت سے مرتب کرتا ہوں جنسے مجکو صحت کے ساتھ بالترتیب تعلقات کا پتہ چلا ہے ۔

محمد صادق زاہدی

کریم اللہ

فیض اللہ

رمضان علی

روشن علی

منشی یوسف علی — نجف علی

نجف علی:

اززوجہ اولی — اززوجۂ ثانی رامپوری سیدہ

اززوجہ اولی: مولوی محمد شمس الحق — دو دختر

اززوجۂ ثانی: حامد — بدر عالم — محمود اور ایک دختر

میری نانی صاحبہ کا سلسلہ خاندانی حضرات سادات قصبہ گلاوٹی ضلع بلند شہر سے ہے اورزوجہ اولی کا ننہال حضرات سادات قصبہ سیتہ میں آباد ہے اورزوجۂ ثانی بخاری سادات نجیب الطرفین سے ہیں انکا خاندان ایک عرصہ سے ریاست رامپور میں بسا ہوا ہے اسکے علاوہ اور بھی چند تعلقات اس خاندان کے حضرات سادات میں ہیں اسلئے مجکو اور میری ذریات کو تقرب سادات کا ایک فخر حاصل ہے اور گو نظام ہماری نسب کیطرف آنکو منسوب کرنا معمول کے خلاف ہے لیکن اس میں شبہ نہیں ہے کہ جناب بی بی سیدة النساء کی شرافت سے لڑکی کی دختری اولاد کی ذریات با تعلقات یگانگت محروم نہیں ہے نہ قیامت کے دن وہ سلسلہ قرابت سے دور رہ سکتے ہیں۔

مجکو زوجۂ ثانی بنت سید ذاکر علی صاحب کی بابت لکھنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جب میں رامپور میں بعہدہ سپرنٹنڈنٹ پولیس

چند سالوں تک رہا ہوں اوسوقت خاص ہمارے گانوں اور قصبہ گلاوٹی سیٹھ کی عزیز اور رشتہ دار سب میرے پاس اکثر اوقات تشریف لے گئے اونکی معلومات یقین دلانے کیلئے بہت کافی ہے علاوہ اسکے ریل کے جاری ہونے سے اور اس جاہ بدید تعلق کے کر لینے سے رام پورا اور اولدن میں بلکہ اس نواح کے اشخاص کی ایسی آمدورفت ہورہی ہے کہ ناواقفیت کا حجاب بالکل اوٹھ گیا ہے مگر تاہم اپنے احباب کی زیادہ دلدہی اور تسکین کے لئے میں نے رام پور میں اونکی نسب کی بابت ایک محضر مرتب کرایا ہے اوسپر پچاس عزیزین سے زیادہ دستخط ہیں اون میں سے بعض حضرات کے نام ظاہر کرتا ہوں۔

شیخ منصب علی صاحب تحصیلدار حضور تحصیل - - مولوی محمد لطف اللہ صاحب پرنسپل مدرسہ عالیہ سابق جج ریاست موصوف۔ یہہ حضرت مفتی بھی ہیں

محمد فاروق حسن صابری مالک مطبع دبدبہ سکندری - - سید منظور حسین صاحب سب انسپکٹر پولیس - - خواجہ احمد علی خلف شاہ سید محمد عاشق صاحب مغفور جو عارف کامل تھے۔

محمد خداداد خاں خلف صاحبزادہ محمد دانشمند خاں - - سید شبیر علی ولد سید احمد علی گھیر سنی

سید محمد حسین ولد میر حسین سکنہ محلہ مدرسہ - سید آل نبی ولد دلاور علی محلہ بازریہ ملاظریف - ایوب علی ولد سید یعقوب علی سکنہ راجد دوارہ

محمد حنیف پیشکار حضور تحصیل - محمد عطاءاللہ خاں منصرم سلحہ خانہ

میرے والد بزرگوار شہر میرٹھ میں نائب کوتوال رہے اور میرے بڑے بھائی اسوقت ڈپٹی کلکٹر ہیں میں پولیس میں انسپکٹر ہوں اور دور تک کا پتہ چلتا ہے کہ اکثر عزیز ملازمت پیشہ رہے اسیوجہ سے ہم لوگوں کا رجحان طبیعت تجارت یا دستکاری کی جانب بالکل نہیں ہوا ہاں کافی طور پر زراعت کی طرف توجہ ہوئی افسوس ہے کہ رسم و

اسوقت تک مینے عام بستی والوں کا ذکر کیا ہے اب میں اپنی ذات خاص کا کچھ حال لکھتا ہوں اور اس سے پہلے شجرہ خاندانی اوسوقت سے مرتب کرتا ہوں جسنے مجکو صحت کے ساتھ بالترتیب تعلقات کا پتہ چلا ہے ۔

محمد صادق زاہدی

کریم اللہ

فیض اللہ

رمضان علی

روشن علی

منشی یوسف علی — نجف علی

نجف علی:

اززوجہ اولیٰ — اززوجہ ثانی رامپوری سیادہ

اززوجہ اولیٰ: مولوی محمد شمس الحق — دو دختر

اززوجہ ثانی: حامد — بدر عالم — محمود اور ایک دختر

میری نانی صاحبہ کا سلسلہ خاندانی حضرات سادات قصبہ گلاؤٹی ضلع بلندشہر سے ہے اور زوجہ اولی کا نانہال حضرات سادات قصبہ سیتہ میں آباد ہے اور زوجہ ثانی بخاری سادات نجیب الطرفین سے ہیں انکا خاندان ایک عرصہ سے ریاست رامپور میں بسا ہوا ہے اسکے علاوہ اور بھی چند تعلقات اس خاندان کے حضرات سادات سے ہیں اسلئے مجکو اور میری ذریات کو تقرب سادات کا ایک فخر حاصل ہے اور گو نظام برادری نسب کیطرف آپکو منسوب کرنا معمول کے خلاف ہے لیکن اس میں شبہ نہیں ہے کہ جناب بی بی سیدۃ النساء کی شرافت سے اونکی دختری اولاد کی ذریات یا تعلقات یگانگت محروم نہیں ہے نہ قیامت کے دن وہ سلسلہ قرابت سے دور رہ سکتے ہیں۔

مجکو زوجہ ثانی بنت سید ذاکر علی صاحب کی بابت لکھنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جب میں رامپور میں بعہدہ سپرنٹنڈنٹ پولیس

چند سالوں تک رہا ہوں اوسوقت خاص ہمارے گاؤں اور قصبہ گلاوٹی سیٹھ کی غرض
اور تماشا میرے پاس اکثر اوقات تشریف لے گئے اونکی معلومات یقین دلانی کیلئے
بہت کافی ہے علاوہ اسکے ریل کے جاری ہونے سے اور اس جدید تعلق کے
کر لینے سے رام پور اور لندن میں بلکہ اس نواح کے اشخاص کی ایسی آمدورفت ہو رہی ہے
کہ ناواقفیت کا حجاب بالکل اوٹھ گیا ہے مگر تاہم اپنے احباب کی زیادہ دلدہی اور
تسکین کے لئے میں نے رام پور میں اونکی نسب کی بابت ایک محضر مرتب کرایا ہے
اوسپر پچاس عزیزوں سے زیادہ دستخط ہیں اون میں سے بعض حضرات کے نام
ظاہر کرتا ہوں۔

مولوی محمد لطف اللہ صاحب پرنسپل مدرسہ عالیہ ۔ ۔ شیخ منصب علی صاحب
یہہ حضرت مفتی بھی ہیں۔ سابق جج ریاست موصوف تحصیلدار حضور تحصیل
خواجہ احمد علی خلف شاہ ۔ ۔ سید منظور حسین صاحب ۔ ۔ محمد فاروق حسن صابری
سید محمد عاشق صاحب مغفور رجو سب انسپکٹر پولیس مالک مطبع دبدبہ سکندری
عارف کامل تھے۔ سید علی ولد سید احمد علی ۔ ۔ محمد خداداد خاں خلف
گھیر سنگی صاحبزادہ محمد دانشمند خاں
ایوب علی ولد سید یعقوب علی سید آل نبی ولد دلاور علی سید محمد حسین ولد میر حسین
سکنہ راجدوارہ محلہ بازار ملا ظریف سکنہ محلہ مدرسہ
محمد عطاء اللہ خاں منصرم سلہٹ خانہ محمد حنیف پیشکار حضور تحصیل

میرے والد بزرگوار شہر میرٹھ میں نائب کوتوال رہے اور میرے بڑے بھائی
اسوقت ڈپٹی کلکٹر ہیں میں پولیس میں انسپکٹر ہوں اور دور تک کا پتہ چلتا ہے کہ اکثر
عزیز ملازمت پیشہ رہے اسیوجہ سے ہم لوگوں کا رجحان طبیعت تجارت یا دستکاری
کی جانب بالکل نہیں ہوا نہ کافی طور پر زراعت کی طرف توجہ ہوئی افسوس ہے کہ رسم و

دستور سابقہ نے کس شرمناک خیال کے ساتھہ پابند کردیا ہے کیونکہ اپنے تمام ارادوں
اور خواہشات کو بیع کرنے سے نوکر کہلاتے ہیں اندر واقعی امر یہہ ہے کہ جن لوگوں کی
زندگی اس پابندی میں بسر ہوئی ہے وہ زندہ درگور رہے ہیں یا مشیت نے انکو
ایسے قفس میں پیدا کردیا ہے جس میں بجز صیاد کی صورت کے اسیر کو کچھہ نظر نہیں آتا
خیال کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مخلوق کی روح قالب میں اسیر ہوئی اور قالب
دور فلک کے اندر رہا۔ لیکن جو لوگ حصار ملازمت میں ہیں وہ انکے علاوہ اور بہی قیود میں
مبتلا ہیں کبہی انکا مالک شب کا سونا اور دن کا کہانا حرام کردیتا ہے کبہی بیٹھنے کے وقت
کھڑے ہونے کا حکم دیتا ہے کبہی کھڑے ہونے کو دل چاہتا ہے تو منزلوں کا سفر لازم کردیتا ہے
عنایت کے لئے طلب کرتا ہے لیکن عتاب کے خوف سے دل دھڑکنے لگتا ہے
عتاب کے وقت شرمساری اور اظہار مجبوری سے اگر بچہا کٹ گیا تو خیر ورنہ ذلت اور بدنامی کا
طوق گلے میں پڑجاتا ہے جہاں خطا کے ساتھہ درگذر نہوا اور گناہوں کو ثواب کیساتھہ
وزن نکیا جائے وہاں انسان کو آسودگی کیونکر میسر ہوسکتی ہے مجکو تجربہ ہوا ہے کہ نوکری پیشہ
اکثر کمربستہ اوٹھتے ہیں اور جگرخستہ سوتے ہیں اور جو لوگ سونے سے پہلے
اوٹھنے کے خیال میں محو ہیں انکی نیند میں آسودگی اور بیداری میں راحت نہیں
ہواکرتی لیکن مشکل یہی ہے کہ شروع سے اگر طبیعت کسی شغل کی عادی ہوگئی تو ہوگئی پہر
اونکو تبدیل کرنا محال ہوجاتا ہے یعنے خود ایک دفعہ طبیعت کو تجارت کی طرف متوجہ کرنا چاہا
تو تمام صورتیں بڑی پیچیدگی میں نظر آئیں کبہی یہہ معلوم ہوا کہ تجارت کے لئے کثیر روپیہ
کی ضرورت ہے کبہی یہہ خیال ذہن نشین ہوا کہ کم مایہ آدمی اس شغل میں اگر نقصان
اوٹھا گیا تو پہر سنبھلنا دشوار ہے کبہی نفس نے یہہ بتایا کہ فی روپیہ ایک پیسہ بہی کوئی نفع
ہوتا ہے کبہی ایک جگہہ بیٹھنے سے طبیعت اوکھڑ گئی کبہی سفر کے خیال سے اولجھن
ہوئی کبہی خود طبیعت نے یہہ سمجہایا کہ جبتک یہہ معلوم نہو کہ کہتہ کہاں سے کہاں

پھونچایا جاتا ہے اور چاولوں کدھر سے کدھر لیجانا چاہیئے اوسوقت تجارت سے بھی ہر وقت نقصان کا ہی اندیشہ ہی غرضکہ نفس ہزار حیلوں سے روک دیتا تھا اور جب یہہ خیال کیا کہ نوکری کیا شئے ہے تو ہزار خوبیاں اور آسانیاں پیش نظر ہوگئیں مالک کی حکومت اور اوسکی تمام مقدرت کا ذائقہ اپنی زبان پر آگیا بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ جن لوگوں کو بری بھلی باتوں کے سننے کی پوری برداشت ہوتی ہے یا وہ کسی ذلیل فرقہ سے ہوتے ہیں مگر نوکر ہوتے ہی جسم کے سارے پٹھے اکڑ جاتے ہیں۔ پاؤں پھیلا دئے جاتے ہیں اوٹھنے لگتا ہے سینہ اوبھر جاتا ہے آنکھیں کھل جاتی ہیں اور دماغ میں خودنمائی پیدا ہو جاتی ہے۔ کسی مآل اندیش کو اتفاق سے اگر یہہ خیال پیدا ہو گیا کہ ہم بھی کسیکے تابعدار ہیں تو فوراً نفس نے سمجھا دیا کہ کیا برائی ہے تم ایک کے تابعدار ہو اور تمہارے ہزار فرمانبردار ہیں واہ کیسا تسکین بخش جواب ہے اور کس درجہ میٹھا اور خوشگوار ہے اسلئے دنیا کو بہت دیکھنے کے بعد میں اپنی اس یادداشت کو حسب ذیل نتائج سے مکمل کرتا ہوں۔

(۱) ہر خاندانی کی بربادی اوسوقت ہوتی ہے، جب خداوند عالم کی نافرمانی گھر والوں کی عادت ہو جاتی ہے یا عارضی صفتوں پر دماغ میں تکبر گھر کرلیتا ہے یا کسی خاندان کا کمال بدرجہ غایت ہو جاتا ہے اسیوجہ سے مثل مشہور ہے کہ ہر کمالے را زوالے۔

(۲) کسی ملازمت میں راستبازی اور امانت کے ساتھ آیندہ زمانہ کے لئے تسکین بخش حالت پیدا کرنا محال بلکہ ناممکن ہے۔

(۳) کاشتکاری بحیثیت موجودہ باعث خرابی ہے اور آپکو حیوان بنانے کی کوشش کرنا ہے اور اوسکے مشاغل انسان کو ہر خیال سے روک دیتے ہیں۔

(۴) دستکاری اطمینان بخش حالت کے حصول کا ایک آلہ ہے اور تجارت

وہ ذریعہ ہے جسکی بقاے سلطنت کے لیئے بادشاہوں کو بھی ضرورت پڑتی ہے ۔

(۵) تکبیر فرعون جیسے بادشاہ کو برباد کرتا ہے اور بھلائی خواہ ایک ہی جو برابر ہو مخلوق کے دلوں میں نقش ہو جاتی ہے

(۶) نفسانیت اور طمع سے بجز پریشانی کچھہ حصول نہیں ہوتا ۔

(۷) جس خاندان میں بے علمی میراث ہوگی اوس میں فساد کی بنیاد قایم ہوگی ۔

(۸) انگریزی علم ایمان کی بربادی کا سبب ہے اور علوم دینی عقیدہ کی حفاظت کے لیئے ایک حکومت ہے البتہ خیال کی صحت کے بعد کوئی زبان سیکھنا خرابی پیدا نہیں کرتا ۔

(۹) دیہات کی آبادی پر ترقی کی مانع ہے اور شہر کی سکونت میں طرز معاشرت کے مشتبہ ہونیکا اندیشہ ہے اسوجہ سے سکونت دیہات کی اور معاش کی تلاش شہروں میں بہتر ہے ۔

(۱۰) ہمسایوں کے ظلم پر صبر کرنا اور آپس میں مصالحت کو قایم کرنا عافیت کا سبب ہے ۔

(۱۱) ذاتی معاملات کو زیر بحث کرنا یا طبیعت کو شہادتوں کا خوگر بنانا آیندہ ذلیل کرتا ہے

(۱۲) عزیزوں کی کج ادائی اور دوستوں کی بیوفائی کی شکایت اوسوقت ہونا چاہیئے جب اپنی طبیعت کی مصالحت کلی کا اندازہ کر لیا جائے ۔

میں پھر اپنی حالت کا فوٹو کھینچتا ہوں اور ۱۸۸۱ء سے شروع کرتا ہوں جبکہ میں صیغہ پولیس سے جدا ہو گیا ایک سال بیکار رہا اور تجارت کے متعلق جو دل سے مشورہ لیتا رہا یہہ اوسی سال بیکاری کا مشغلہ تھا لیکن ۱۸۸۳ء میں بتحریک مولوی عبدالوہاب صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس مرحوم ومغفور متوطن انچولی ریاست رام پور میں سپرنٹنڈنٹ پولیس مقرر ہو گیا ۔ رامپور میں گو بلحاظ دستور قدیم اس عہدہ کی تنخواہ دوسو روپیہ سے زیادہ

نہیں ہوئی مگر اونکا دارا اور اختیار کے اعتبار سے یہہ عہدہ حکومت انگریزی کے مشابہ تھا بلکہ بعض حالتوں میں بہتر مگر ابھی تک یہاں کے اہلکار پولیس کسی دستور اور ضابطہ کو پابند نہیں ہوئے تھے بلکہ قدیمی رواج خود قانون بنا ہوا تھا اور عدالتیں کم و بیش انگریزی قانون کے مناسبت کی پابند تہیں سپاہی اکثر چھٹے چھٹے مہینے آکر تنخواہ لیجایا کرتے تھے مدت تک مجکو یہہ پتہ نہ چلا کہ پولیس میں کتنے ملازم ہیں۔

رامپور میں سب سے زیادہ میرے لئے یہہ دشواری تھی کہ جنرل اعظم الدین خان بہادر مدار المہام ریاست قواعد انگریزی کے خوگر تھے اور اونکی خواہش ہر کام میں یہہ ہوتی تھی کہ برسوں کا کام چند دنوں میں مکمل دیکھ لیا جائے اور اونکا اقبال اکثر اوقات اونکے ارادوں کو پورا کرتا رہا مگر رعایا اور ملازمان کو ہر ایک اصلاح بربادی کی صورتوں میں نظر آتی تھی اور جسطرح مستعدی اونکا شعار نہ تھا اوسیطرح وہ اپنی آزادی کو مقدم رکھنا چاہتے تھے جب دل میں آیا نوکری کرنے چلے آئے۔ اور جب ضرورت ہوئی گھر چلے گئے اسوجہ سے منظوری کونسل مجکو ایک ضابطہ معین کرنا پڑا جو اسوقت تک ریاست میں نافذ ہے اور ملازمان کی وحشیانہ حرکتوں کو ایک دستور کے ساتھ بتدریج روکنا رہا میرے اس عمل نے بھی دلوں میں بدگمانی اور خیالات میں برافروختگی پیدا کی لیکن رفتہ رفتہ جب اون لوگوں نے قانون اور قواعد کے عمدہ نتیجوں سے واقفیت حاصل کرلی تو اخلاص کے ساتھ مانوس ہوگئے اور پھر ہر کام میں ترتیب شروع ہوگئی حتی کہ اپنی وضع اونکو خود پسند آگئی اسوجہ سے کہ وہاں کے آدمیوں میں کارآمد باتوں کے جلد سمجھ لینے کی ایک قابلیت ضرور ہے بشرطیکہ اونکا معلم اونکی گیدڑ بھبکیوں اور شورش جاہلانہ سے خود خوف کھاکر اپنی تعلیم سے باز نرہے میں اب نہیں کہہ سکتا کہ اسوقت وہ کس خیال کے پابند ہوگئے ہیں لیکن دو تین سال کے اندر میری موجودگی کے زمانہ میں اون میں پولیس کی خدمات

انجام دینے کی اچھی لیاقت پیدا ہو گئی تھی ۔

جنرل موصوف ایک بہادر دانشمند اور جفاکش مدبر شخص تھے اونکا وزن دومن چوبیس سیر تھا لیکن گھوڑے کی سواری کے مشاق تھے تیس چالیس میل پیدل سفر کر لینا آسان تھا چوبیس گھنٹے ضرورت کے وقت بیخور و خواب کام کرنا اونکی تفریح کا سبب تھا بہادری کے تمام کرتبوں میں بندوق کا نشانہ بازی میں تو عجیب و غریب ملکہ تھا مضرت کا خطرہ اور مرگ ناگہانی کا خوف قدرت نے اونکے قلب میں کبھی پیدا نہونے دیا اون میں استقلال اور خلایق کی خیراندیشی بھری ہوئی تھی اونکی دلی خواہش یہ تھی کہ شہر رامپور آسودگی کا خیمہ بنجائے یہاں کا اخلاق جہالت کی کدورت سے صاف ہو جائے ملک کی بہبودی ہر در و دیوار سے چمک اوٹھے اور ان بھلائیوں کے وہ ایسے حریص تھے کہ ہمیشہ یہی خیال رہا کہ عام آسودگی اپنی آنکھوں سے دیکھ جاؤں لیکن رعایا کی بدگمانی جو محض ناتجربہ کاری کیوجہ سے تھی وہ دن بدن بڑہتی جاتی تھی اور مہینہ میں سیکڑوں عرضیاں ایسی پہونچتی تہیں جنکے ذریعہ سے اونکو طرح طرح کے خوف دلائے جاتے تھے مگر وہ بہادر کبھی انکو پڑھکر ہنستا تھا اور کبھی چاک کرکے پھینکدیتا تھا ۔

رامپور میں پینے دریاے کوسی کا پانی شہر کے اندر کوچہ و بازار میں بھرا ہوا بکتا تھا یا تھوڑے زمانہ میں ایسا وقت دیکھا کہ دریا کے پانی کو اسطرف رخ کرنے کا موقع نملا اور جن حکموں میں مرد لنگوٹہ باندہکر پھرتے تھے اون میں بڑھیوں کو شکستہ زیرپائی پہنے ہوے پہرتے پایا مگر اسپر بھی مخلوق نے جنرل کو بددعا سے نہیں چھوڑا میں نے جب کبھی رعایا کے اس مخالفانہ خیال کا ذکر کیا تو جنرل موصوف نے یہی جواب دیا کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب مجنون اور بچہ کی گالیاں بھی بھلی معلوم ہونا چاہئے۔ جن لوگوں نے تمام عمر راحت کا منہ نہیں دیکھا وہ اونکی آمد کے اهتمام سے کیا واقف

ہو گئے ۔

اس مختصر تذکرہ میں جسمیں میں اپنے ذاتی حالات لکھ رہا ہوں جنرل موصوف کے واقعات بیان کرنے کو میں دوسرا کوئی واقعہ اسوجہ سے خیال نہیں کرتا کہ ایک مدت تک میرے طرز زندگی پر اونکی حکومت مشفقانہ کا اثر رہا ہے اور مینے اونکو اسوقت چھوڑا ہے جب مخالفین کے سخت حملوں کے بعد اونکی جان تلف ہو چکی ہے ۔

اونکی شہادت کا مختصر واقعہ یہہ ہے ۔

شب کے وقت جب وہ ایک رئیس کی دعوت کھاکر مکان کو واپس آتے تھے راستہ میں بہت سے آدمی پرا جمائے ہوئے بندوق و شمشیر بکف کھڑے ہوئے تھے فیر گو کثرت سے ہوئے لیکن اونکے ایک گولی لگی جو بازو توڑکر سینہ میں رہگئی اور چند چھرہ گراب کے دماغ تک پہونچے اس آخیر وقت میں بھی جو کام کیا وہ یہ ہے کہ جبتک جسم میں جان رہی لبوں سے اُف نہیں کیا بلکہ اوسی حالت میں بلا کسی دستگیر کے پیادہ پا سو دو سو قدم تک پہونچگئے آخر فقرہ ڈاکٹر کا یہ تھا کہ اعظم الدین خان نے رامپور کی بھلائی کی جستجو میں اپنی جان کو نذر کردیا دوسرا فقرہ جو نذر کرتا مسٹر براؤن صاحب ڈپٹی انسپکٹر پولیس مامورہ تفتیش مقدمہ مذکورہ نے ظاہر کیا وہ یہہ تھا کہ دس ہزار یورپین جنٹلمین میں جنرل سا ایک ہی شخص نکل سکتا ہے ۔ تیسری بات جو سب سے زیادہ دل پسند ہے وہ یہ ہے کہ مجھسے ایک مجذوب صفت درویش نے ایک موقعہ پر بیان کیا کہ مینے بچشم خود دیکھا ہے کہ اعظم الدین کا سر مرنے کے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہ کے ہاتھ میں ہے ۔

سبحان اللہ وبحمدہ اونکی خیراندیشی کا ضروریہی نتیجہ تھا ۔ اور اونکے اوصاف دینی و دنیوی کے ثابت کرنے کے لئے میں صرف یہی تین جملے بہت کافی تصور کرتا ہوں ۔

اس واقعہ سے ایک سال پہلے درمیان رامپور اور مرادآباد کے مجھپر بھی چند بدمعاشوں نے ایسا ہی حملہ کیا جسمیں مجکو سخت ضرر پہونچا لیکن تائید ایزدی میری ساتھ تھی

جسکی وجہ سے ملزمان میں سے ایک شخص میرے طپنچہ سے ہلاک ہوا باقی فرار ہوگئے جنکو بالآخر عدالت انگریزی سے دس دس برس کی قید ہوئی اس واقعہ کے بعد رامپور میں دلوں کے اندر اچھی تاثیر پیدا ہوئی اور وہاں کے بہادر میرے اوپر عزت کی نگاہ ڈالنے لگے گرمیں جنرل کی شہادت کے بعد بہت ہی خستہ ہوگیا اور چونکہ تمام انتظامی حالتیں اونکے مرنے کے بعد ہی تبدیل ہوگئیں اسوجہ سے وہاں سے چلا آیا

اس موقعہ پر مجکو اپنا ایک خاص ذاتی تجربہ اندرونی ادراک ظاہر کرنا ہے جو فی الواقع دوسروں کے لیئے عبرت ہے اور میرے لئے ہدایت اور یہ صورت میرے ہی ساتھ نرالی پیش نہیں آئی بلکہ ایام زندگی میں کبھی کبھی ایسے واقعات یا اسکی مثل سب پر گذر جاتے ہیں مگر چونکہ ناگہانی یا اتفاقی واقعات پر غور کی نگاہ نہیں پڑتی اسوجہ سے اونکی اصلی تاثیریں جو پیدا ہوتی ہیں محسوس نہیں ہواکرتیں میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ بناوٹ اور مبالغہ سے بالکل پاک ہے۔ بلکہ اس کہنے کی میں ضرورت ہی نہیں پاتا کیونکہ جو کہتا ہوں وہ اپنی سچائی پر آپ ہی شاہد ہے مجکو اس واقعہ کے بعد چند اسرار منکشف ہوئے اول یہ کہ جب طبیعت کا ادراک بہمہ وجوہ ایک طرف متوجہ ہو جاتا ہے توشدید واقعات اور مضرات اوسکو اس حالت سے روکنے میں عاجز ہیں مجمپر جب چھری اور متعدد لاٹھیوں سے حملہ ہورہا تھا اوسوقت طبیعت جسمانی حفاظت کیطرف بہمہ اوصاف کلی متوجہ تہی جسکی وجہ سے ضربات کی تکلیف زخموں کی سوزش کا اثر میری امتیاز سے باہر تھا اسی نوعہ کو اب دوسرے خیال کے ساتھ وزن کرنا چاہیئے یعنی عاشق الٰہی الفت کے جوش میں اول ہی ملکہ بہم پہنچاتے ہیں کہ اپنے خیالپر ایسی قوت پیدا کرلیں کہ غیر متعلق واقعات کے روکنے کے لئے سپر بنجایا کرے اور رفتہ رفتہ وہ خود ایسے ہو جاتے ہیں کہ اونکو راحت کی تمیز باقی نہیں رہتی نہ وہ کسیکے دوست ہوتے ہیں نہ دشمن بلکہ ہر وقت شوق دیدار میں محو رہتے ہیں یا موت کا

انتظار اونکو آٹھوں پہر بیدار رکہتا ہے۔ دوسری بات یہہ سمجہہ میں آئی کہ خودغرضی آل اندیشی
اور تدابیرات مستحسن سے ہمیشہ باز رکہتی ہے مجہپر مجرمان نے دن میں حملہ کیا اونکے
اغراض حاسدانہ کا خمار اس درجہ بڑہگیا تھا کہ اونہوں نے یہی سوچا کہ ایک شخص کو
مارلینا چندبہادروں کی جماعت کے لئے کچھہ دشوار نہیں ہے اور یہی سمجہکر جوکچھہ کرنا چاہتے تھے
کرنے لگے اگروہ یہہ ہی سوچتے کہ آفتاب کی روشنی افشاء راز کا سبب ہے یا قدرت
کو بھی اختیار ہے کہ غلبہ شخص مخالف کو ہو تو وہ تدبیرات اور آل اندیشی کی زحمت
اوٹھاتے اوس میں یقینی فائدہ یہہ تہا کہ وہ اس جاہلانہ حرکت سے باز رہتے یا کوئی
ایسی تدابیر پیدا ہوجاتی جسکے ذریعہ سے وہ ہرحالت میں اپنی حفاظت کرسکتے تھے۔
اسسے ثابت ہوا کہ ہر معاملہ زیربحث میں شخص مخاطب یا مخالف کی قوت کو غالب دیکھنا
چاہیئے اور اس مفروضہ غلبہ کے ہموزن قوت حاصل کرکے اپنے کام میں نتیجہ پیدا
کر لینا آسان ہے اس معاملہ میں عقل کو تیسرا ادراک جو حاصل ہوا وہ یہہ تھا کہ فی الواقع
اصلی محافظ ہر شخص کا خداوند عالم خود ہو جاتا ہے مگر یہہ اسباب ظاہر انسان کو اونکے اتفاق
یا اپنی تدبیرات کے حوالہ کردیتا ہے مجہپر متواتر جو حملہ ہو رہے تھے وہ ایسے بیدرنگی تھے
کہ سر کا بچنا پسلیوں کا ثابت رہنا بالکل خلاف عقل معلوم ہوتا ہے نہ ملزمان کا یہ مقصود
ہوسکتا ہے مگر میں دیکھتا تھا کہ نازک مقامات جسمانی کسی حصار میں تھے اسکا باعث
نہ میرا ادراک تھا نہ کوئی شے درمیان میں ایسی حائل تھی جو میرے سر اور پسلیوں کا
محافظ قرار پاتا اوس پریشانی میں مجکو ایک سبق یہہ بھی ملا کہ جب انسان اپنا موت کا
قاصد قریب کھڑا ہوا دیکھ لیتا ہے تو اوسکے قلب میں نہ کوئی خطرہ رہتا ہے نہ عزیز واقارب
یاد آتے ہیں نہ دوسرے کی جان کی قدر معلوم ہوتی ہے میں نے چھرے کے
متواتر حملوں سے جب یقین کرلیا کہ تو تھوڑی دیر کا مہمان ہے تو میں قلب کو ہر خیال سے
صاف اور ستھرا پاتا تھا اور اپنے ایک مخالف نوجوان کی جان عزیز مجہپر سے یا وہ بیقدر

نظر آتی تھی اگر نزع کے وقت بھی آدمی کسی کی الفت یا مختلف خیال کا مجموعہ نہ ہنا ہو تو
ممکن ہے ان سب سے زیادہ عجیب واردات جو مجھپر گذری وہ یہہ ہے کہ اوسی
رات میں مجکو حالت خواب میں دکھایا گیا کہ ایک شیر درخت کے نیچے سے اوٹھکر مجھپر
حملہ کرنا چاہتا ہے۔ مینے اوسکو چیر کر پھینکدیا اس خواب سے آٹھ گھنٹہ بعد اسی صورت
سے یہہ موقعہ پیش آیا اسکے یہہ معنی ہیں کہ گنہگار دل کا قلب بھی کچھہ خبر رکھتا ہے
اور شدید نقصانات کی تاثیر روحی کشش سے پہلے اوس میں نفوذ کرتی رہتی ہے۔ کبھی کبھی
سمجھہ میں آجاتا ہے اور اکثر تعلقات کے ہجوم کی کدورت یا شامت اعمال کا ثقل
ہمکو بیخبر رکھتا ہے اسکی شہادت عمل مسمریزی سے بھی ملتی ہے جو بچوں کی روح سے
دور دور کے حالات صحیح دریافت کرا دیتا ہے اسی کا نام خواب ہے اور اسی قسم کی
کشش الہام کا بھی باعث ہوا کرتی ہے۔

میں ۱۸۹۱ء تک اپنے مکان پر بیکار رہا لیکن بمقتضائے فطرت میں پھر اپنے
اصلی مرکز کی طرف گھومنے لگا حتی کہ مجکو بحیثیت جدید ملازمت گورنمنٹ انگریزی میں عہدہ
سب انسپکٹری نہایت آسانی سے ملگیا اسکے بعد ۹۴ء سے میں انسپکٹر مقرر ہو گیا۔
ان تمام صورتوں سے یقین ہوا کہ قدرت نے میری معاش کا ذریعہ صیغہ پولیس کی ملازمت میں
منحصر کردیا ہے۔

اب شب و روز اپنی خدمت انجام دیتا ہوں اور اوسی مشغولیت میں اکثر اوقات
قلب میں خیالات پیدا ہوتی ہیں کہ یہہ تمام تغیرات جو اپنی ذات میں واقع ہوتی ہیں جبکہ اپنے
اختیار سے باہر ہیں تو ضرور ہمپر کوئی دوسری قوت متصرف ہے لیکن جو نظر سے غایب
ہے اوسکا احاطہ یقین میں لانا مشکل ہی مشکل ہے اتنا ضرور سمجھہ میں آتا ہے کہ دنیا متضاد
مادوں سے بنائی گئی ہے۔ اسی وجہ سے انسانی خیالات اور معلومات میں بھی برابری نہیں ہے
اونکی صورتوں اونکی عادتوں میں باہم دگر مخالفت ہے اونکی تحقیقات اونکے ادراک اونکی محسوسات

سب ناقص ہیں ایسی حالت میں حالات غیر معلوم سے انکار کرنا ہی مناسب نہیں ہے اس سے
یہہ غرض نہیں ہے کہ ہر اک محالات اور خلاف قیاس انسانی پر بلا کسی دلیل کے یقین کر بیٹھیں
بلکہ یہہ مقصد ہے کہ ایسے عجیب و غریب کارخانہ کو دیکھکر جیسا کہ عالم موجودہ ہے یہہ خیال کرنا
کہ اسکا کوئی خالق نہیں ہے یا یہہ ہمیشہ قایم رہنے والا ہے عقل کے خلاف ہے کیونکہ
جن کاموں میں ارادہ اور ترتیب کا ظہور ہے وہ خود بخود نہیں ہوا کرتے یہاں کی ہر شے
باوجود اختلاف عناصر کے باہم ایک دوسرے سے کوئی تعلق رکھتی ہے اور پہر جدا جدا
معلوم ہوتی ہیں اونکا اثر اونکا ذایقہ اونکی صورتیں بالکل مختلف ہیں ایک ستارہ ہے
کسیکے لئے منحوس ہے کسی کے لئے سعد ہی ایک دوا ہے کسیکو مفید ہے کسیکو مضر
اور پہر ہر شے میں ہزارہا تاثیرات ہیں اور پہر باوجود اختلاف کے چند شے باہم ملکر ایک ہی
مزاج پیدا کر لیتی ہیں پتہ سبز ہے پہول سُرخ پیدا ہوتا ہے پہل میٹھا ہے تخم کڑوا۔ اب
جانوروں کی دیکہئے تو ہزارہا قسم کے عجائبات ظاہر ہونگے کوئی کالا ہے کوئی سفید ہے
کوئی زرد ہے کوئی سُرخ ہے کسی میں چند رنگ جمع ہیں اونکی آوازیں بہی جُدا ہیں اونکی
غذاوں میں بہی اختلاف ہے بعض بے مادہ پیدا ہو جاتے ہیں اور جنکا جوڑا ہے وہ باوجود
ہم رنگ اور ایک شکل و شمائل کے کبہی غلط فہمی نہیں کرتے وہ جانور ہیں لیکن اپنی حفاظت
خوب کر لیتے ہیں اور یہہ سب چیزیں بڑہ بڑہ کر نہایت جلد جلد فنا ہوتی رہتی ہیں جو لوگ
مادہ کو قدیم جانتے ہیں اور یہہ سب کچھ اوسی کی تاثیر بتلاتے ہیں اونکا یہی عقیدہ ہے
کہ اصل مادہ اور اوسکی حرکت میں نہ کسی قسم کا ادراک ہے نہ اوس میں عقل پایا جاتا ہے
اسکو سنکر ضرور تعجب ہوتا ہے کہ انسان کیونکر ایسے مادہ سے بن سکتا ہے کیونکہ اس میں
ادراک بہی ہے اور قوت ارادی بہی ثابت ہوتی ہے اسوجہ سے معلول کا اپنی علت کے
اوصاف میں جدا ہونا بعید از قیاس ہے یعنی جب مادہ اپنی صفت میں قدیم ہے تو اوسکے
تمام ذرات اور فروعات یا جو کچھ اوسکی تاثیروں سے پیدا ہوں قدیم ہی ہونا چاہیئے تھا۔

اور جسطرح مادہ میں ارادہ اور ادراک نہیں ہے اوسیطرح انسان بھی فعل جمادات کے
بجنس وحرکت پیدا ہوا کرتا یا کم از کم اس میں بڑے اور بہلے کا ادراک اور کسی قسم کا
قصد نہ پایا جاتا ۔

دنیا میں مادہ کا واحد ہونا ثابت نہیں ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین میں رحم انسان
کی سی کوئی ایسی کیفیت رکھی گئی ہے کہ جس قسم کا مادہ اوس میں پڑتا ہے وہ اندر ہی اندر
پرورش پاکر اپنی اصلی حقیقت کے ساتھ باہر نکل آتا ہے اور وہ کیفیت جس حصہ زمین میں
زائل ہوجاتی ہے (جیسے شورزمین) وہاں کسی قسم کا نباتی مادہ پیدا نہیں ہوتا اسیطرح
عورت کا رحم جب کسی سبب عارضی یا خلقی سے خراب ہوتا ہے تو اوس میں نطفہ قرار نہیں
پاتا اور ایسی عورت سے اولاد کا پیدا ہونا ناممکن ہے اس سے ظاہر ہے کہ جس شے کی
ظہور کے لئے کوئی ترتیب معین کردی گئی ہے جب اوس میں کسی وجہ سے خرابی پڑجاتی ہے
تو اوس شے کا ظہور ناممکن ہوجاتا ہے مگر سچ یہ ہے کہ انسانی خیال نے غیر معلوم کیفیت
کی تحقیق میں سلف سے آجتک مختلف نتایج پیدا کئے ہیں اور اسوجہ سے عقاید میں بڑا
اختلاف ہوگیا ہے حالانکہ خیال اور عقیدہ میں بدیہی مغائرت ہے کیونکہ عقیدہ وہ خیال ہے
ہے جو کسی شخص کے قول پر بھروسہ کرنے سے ایک یقین پیدا ہو جاتا ہے اور دوسرا
خیال وہ رجحان طبیعت ہی جو قراین ظاہری یا قیاسات عقلی سے کوئی وہم یا ارادہ دلمیں
ظاہر ہوا کرتا ہے ایسے خیالات میں خداوند عالم نے ایک بے اختیاری وسعت عطا فرمائی ہے
اکثر یہہ ممکن ہے کہ ہمکو عقیدہ کی حد سے بڑہا کر گمراہی کے کوچہ میں ڈالدے ہمکو نہ یہہ کہنا
مشکل ہے کہ مادہ قدیم ہے اور تمام عالم کا دور اسی سے قایم ہے نہ یہہ سمجھہ لینا دشوار ہے
کہ انسان اپنے فعل کا خود مختار ہے اسلئے کہ جہانتک ہمارے علم و قیاس نے رہنمائی کی
وہیں تک ہمنے اپنی واقفیت کو وسیع کرلیا ۔

قیاس یہہ چاہتا ہے کہ قدرت نے ایک مخلوق کو ایسے مادہ سے پیدا کیا جن میں

نافرمانی کی طاقت ہی نہیں ہے اسکو اہل اسلام ملکوتی کہتے ہیں اسکی فرمانبرداری قابل صفت نہیں ہے کیونکہ جیسے بنائی گئی وہی کر رہے ہیں۔ دوسرا فرقہ ایسی ترکیب سے بنایا گیا کہ اونکا نام ہی خبیث رکھا گیا اونکو نیک امیدوں سے اچھے خیالات سے بالکل دور رکھا گیا ہے چونکہ یہ دونوں فرقہ ہماری جنس اور ضرورتوں سے مناسبت نہیں رکھتے اسوجہ سے ہماری نگاہوں سے چھپے ہوتے ہیں تیسری مخلوق دنیا میں ایسی ظاہر کی گئی کہ اونکو دونوں صفتوں کا حامل نہیں کیا گیا اون میں نہ کوئی تقدس ہے نہ خباثت نہ اونپر کوئی خاص حکم واجب التعمیل ہے بجز اسکے کہ انسان اپنی ترکیب سے اُنسے اپنی ضرورتوں کو بجبر رفع کرلیں انکو حیوان کہتے ہیں لیکن ایک اور فرقہ آدم کے نام سے زمین ہی پر آباد کیا گیا۔ اون میں بھلائی و برائی کے دونوں مادہ کی ترکیب دی گئی اور ایک تیسرا جزو عقل کے نام سے ملا دیا گیا جو قوائے جسمانی پر حاکم نہیں ہے لیکن ایسی منور قوت ہے جسکے ذریعہ سے ہر فعل کے امتیاز ہو جاتی ہے اور گو ضرورتوں کا ہجوم اور تعلقات کی وابستگی ترکیب جسمانی کا تقاضا ہمکو اوسطرف لگائے رکھتا ہے جسکی تاثیر فوراً محسوس ہوا کرتی ہے مگر لاج انسانی قدرت کاملہ کے علم سے ہماری تمام حرکت و سکون پر قادر رہتی ہے یہ چاروں مخلوق اپنے اوصاف میں مختلف ہیں اسوجہ سے انکے افعال اور اعمال بھی مختلف ہیں ان ترکیبوں سے صرف خالق کی قدرت کا کمال ظاہر ہوتا ہے جو ثابت کرتا ہے کہ وہ ہر شے کو ہر صورت سے بنانے پر قادر ہے۔

یہ سچ ہے کہ ہم اپنے خالق کو ان آنکھوں سے نہیں دیکھتے مگر جب اوسکا تصور کرتے ہیں اور خیال کی پریشانی دُور ہو جاتی ہے تو ہر ذرہ میں اوسکے نور کی جھلک نظر آتی ہے ہر پتہ پتہ میں اوسکی وحدت کا نقشہ کھنچا ہوا دیکھ سکتے ہیں سب انسان اگر اچھی صفتوں کے ساتھ پیدا ہوتے تو آج یہ کہہ سکتے تھے کہ خالق لشہراور ہے جو آئندہ اپنا کام کریگا یا اگر تمام دنیا خوبصورت ہی ہوتی تو یہ کہنا جائز تھا کہ ہمارا خالق ایک ہی قسم کی صورت بنانا جانتا ہے

تحقیقات فلاسفروں کی جنکو خدا کے وجود سے انکار ہے ابھی تک ناتمام ہے اور خود اونکا اختلاف باہمی اس خیال کو ثابت کر رہا ہے کہ بہت سے واقعات ایسے پیش نظر ہیں کہ جنکے نتایج ہنوز لامعلوم ہیں اس بناپر جمیع اشیاء موجودہ کا علم محدود حالت میں ہے اور جو اسوقت تک ظاہر ہوا ہے وہ دریافتی معلومات کا نتیجہ ہے شاید آیندہ اسکے خلاف ثابت ہو اسلئے کہ دماغی قوت اور حد ادراک انسانی سے زاید اگر غیر معلوم کیفیت ہماری نگاہ سے جدا ہو تو کیا بعید ہے ہمکو باوجود ذی عقل ہونے کے یہ معلوم نہیں ہے کہ ہماری صورت سے مادی اجزا کب جُدا ہو جائینگے یا اون میں آیندہ کیا کیا تغیرات واقع ہونگے اس سے ظاہر ہے کہ ہماری موجودہ حواس گو وہ کسی آلہ سے ہی کیوں نہ کام میں لائے جاتے حقایق اشیار کی ماہیت معلوم کرنے میں عاجز ہیں اور جب اشیاء کی پوری حقیقت دریافت نہیں ہوئی تو اوسکی خالق کی کیفیت کو معلوم کر لینا یا اوسکے وجود سے منکر ہو جانا عقل کے خلاف ہے۔

دنیا میں بظاہر چار چیزیں سب سے زیادہ بڑی نظر آتی ہیں اور ہر شے اونہیں کے وجود سے موجود ہے لیکن اون میں بھی ہر شے ایک دوسرے پر قادر ہے یا بعض حالت میں عاجز ہی دیکھو پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور آگ کے ذریعے سے پانی کو جلا دیتے ہیں اسیطرح مٹی کو ہوا اوڑا لیجاتی ہے اور ہوا مکانات کے اندر یا مقامات غلیظ میں متعفن ہو جاتی ہے غرضکہ ہر شے تغیر پذیر ہے البتہ آفتاب عالم خلق میں ایسی شے ہے جس سے ہر چیز فیضیاب ہے لیکن وہ بھی گرہن کی حالت میں عاجز ہی معلوم ہوتا ہے یا چھوٹا سا ٹکڑا ابر کا اوسکے تمام فیض کو روک دیتا ہے اسوقت انکے علاوہ نکوئی مادہ معلوم ہوتا ہے نہ اُنسے کوئی بڑی شے قادر ظاہر ہوتی ہے اور جب ہر چیز کی ترکیب میں ہم انہیں اجزا کو موجود پاتے ہیں تو یقین ہوتا ہے کہ ہر شے انہیں کی آمیزش سے بنی ہوئی ہے۔ اب ان میں کسکو مقدم اور کسکو موخر کہنا چاہیئے اور اگر یہ فرض کریں

کہ یہہ چاروں چیزیں ایک ساتھ نہیں تو پہر معلوم کرنا پڑتا ہے کہ انکا بنانے والا کون ہے اور اگر یہہ مان لیں کہ نہیں یہہ چاروں شے قدیم ہیں تو سمجھہ میں آتا ہے کہ ایک سے زیادہ جب اعداد جمع کئے جاتے ہیں تو اونکے لئے کوئی ضرورت ہوتی ہے اور ضرورت فاعل کے متعلق ہے جو ارادہ اور ترتیب پر قادر ہونا چاہیئے اور جب یہہ ثابت ہے کہ ہر چیز بدون ان چار چیزوں کے موجود نہیں ہوتی اور پھر اکثر موقعوں پر آفتاب کی چمک اور ماہتاب کی روشنی کی حاجت ہوتی ہے بعض حالتوں میں اگر ہوا میں تغیر نہو تو انسان اور حیوانوں کی غذا کے اسباب معدوم ہو جائیں اگر ہوا ہمیشہ پچھوا چلتی رہے تو ہر شے خشک ہوکر رہجائے یا بعض دفعہ ضرورت کیوقت بجائے پچھوا کے پُروا ہوا چلتی رہے تو کچہہ بہی پیدا نہو اور پھر یہہ بھی دیکھتے ہیں کہ پانی وقت پر برستا ہے دونوں ہوائیں موافق چلتی ہیں مگر انسانی ارادہ اور اوسکی خواہش پوری نہیں ہوتی پہر کوئی کام بیقاعدہ بہی نہیں معلوم ہوتا ہے دن رات صبح و شام اپنی اپنی کیفیت پر قایم ہیں چاند اور سورج اپنی خدمت پر مامور ہیں ستاروں کی تاثیریں تمام نباتات اور حیوانات اور انسانوں پر اوقات معینہ پر موثر ہو رہی ہیں اور اس مضبوط قاعدہ سے کوئی چیز باہر نہیں جاسکتی اسکے بعد اپنی معلومات کو ملاحظہ کیجیے کہ ہر شے کی کیفیت چکھنے سے سونگھنے سے سننے سے دریافت کر لیتے ہیں اور جو دیکھتے ہیں وہ سب سے زیادہ یقین کا درجہ رکھتا ہے لیکن جو ہر قسم کی ادراک سے باہر ہے اوسکو بھی ڈھونڈھتے ہیں جسطرح ستاروں کے اثر کو معلوم کرلیا گیا بعض نجومی یا رمال اپنی موت کے وقت اور سبب کو بھی دریافت کرلیتے ہیں مگر نہ اوس سبب سے بچ سکتے ہیں نہ موت کے سامنے سے بھاگ سکتے ہیں اسوجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جن اشیاء کو ہمنے معلوم کرلیا وہ سب ایک ایک وقت میں پیدا ہوئی ہیں مگر جو ہماری سمجھہ میں نہیں آتا یا جسپر ہمارا قابو نہیں چلتا وہ ضرور ایسی بڑی قوت ہے کہ جسنے سب کو پیدا کیا ہے اور یہی یقین اور صرف اتنا ہی علم ہمارے لئے کافی ہے ۔

مولانا محمد قاسم صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ رسالہ تقریر دلپذیر میں لکھتے ہیں کہ جب ہم کسی مکان کو دیکھتے ہیں تو بنانے والے کو سمجھتے ہیں اتنا بڑا مکان کہ جسکو عالم کہیے بے صانع کے نہیں ہو سکتا ہاں اگر اوسکے احوال میں تفاوت نہونا اور حاجتمندی کے آثار اس میں نظر نہ پڑتے تو یوں بھی کہہ سکتے تھے کہ جیسے خدا کو سارا جہان موجود بالذات خود گنتے ہیں ایسے ہی عالم بھی اپنے آپ موجود ہے یہاں جسطرف نظر ڈالتے ہیں خواری ٹپکتی جسکو دیکھیے مجبوری ثابت ہوتی ہے۔

بعض آدمی اس مجبوری کو دیکھکر آپ کو بیقصور خیال کرتے ہیں اور بعض بپاس ادب خالق بشر خود بن بیٹھتے ہیں یہ نہیں جانتے کہ تمام حرکت وسکون تقدیر الٰہی سے ہیں لیکن خیر وشر کا کوئی اثر خالق کی ذات کو نہیں پہونچتا کیونکہ اسکے لئے مساوات کی ضرورت ہے یا کسی قسم کی باہم جنسیت ہو اور جو دونوں صورتوں سے جدا ہے وہ ہر قسم کے افعال کی تاثیرات سے بھی پاک ہے آفتاب کی شعاعیں کثیف اور غلیظ اجزا پر بھی پڑتی ہیں مگر اونکا نور مکدر نہیں ہوتا بلکہ اشیا میں ایک لطافت پیدا کر دیتا ہے اسیطرح خدا کا نور ہر چیز کی وجود کا محیط ہے کسی چیز کی اوسکو برائی لازم نہیں آتی۔

مولانا اسی رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ بنی آدم دو جزو مختلف الطبیعت سے مرکب ہیں ایک کو تو بالطبع نیکی کی جانب میلان ہے اور اوسے ہی شاید اہل اسلام روح کہتے ہیں اور دوسرے کو بالطبع بدی کی طرف رغبت ہے اوسکو نفس کہتے ہیں اسی لئے ہم یوں کہتے ہیں کہ ان جزوں کے لئے دو اصلیں بھی جدی جدی ہونگی سو جس چیز کو نیکی کی جانب رغبت ہو اوسکی اصل طبقہ ملائکہ ہو جنکو فرشتہ بھی کہتے ہیں کیونکہ اس جماعت کی نسبت سبکا یہی عقیدہ ہے کہ انکو نیکی سے مطلب نہیں بس سمجھ میں آتا ہے کہ جس شخص میں اوسکی اصل کے عنصر زیادہ ہوں اوسکو ویسے ہی مدد پہونچتی ہے۔

تقریر مذکورہ بالا سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ کونسی وجہ ہے کہ شیاطینی خواہشیں اکثر

انسانوں پر غالب رہتی ہیں حالانکہ اون میں عنصر اصل ملائکہ سے بھی موجود ہیں اور
ایسی حالت میں کہ ملایک نوری اور لطیف تسلیم ہوئے ہیں اسکا سبب یہ معلوم ہوتا ہے
کہ کسی معمولی نعمت کا حصول اون شیریں کلام وعدوں سے جو ہزارہا لذات کا پیمانہ ہوں
زیادہ تر عزیز ہو سکتا ہے مثلاً ایک عورت حسینہ کیطرف جب طبیعت راغب ہوتی ہے تو اوس سے
پہلے نفسانی خواہش ہر رگ میں اپنے جوش سے ایک لذت پیدا کرتی ہے جسکی وجہ سے
تمام قواے جسمانی اوسکی موید ہو جاتی ہیں یا چند قانون یا اوسی قسم کے شاید ضرورتوں
کے پورا کرنے کے لئے انسان چوری کرتا ہے روحی قوت یہی بتا سکتی ہے کہ زنا اور چوری
کرنا اخلاق انسانی سے بعید ہے اسکی دلیل عقل کے ذریعہ سے صرف یہی پیش ہوتی ہے۔
کہ اگر یہہ دونوں کام برے ہیں تو چہپا کے کیوں کرتے ہیں لیکن جسطرح نفسانی خواہشیں
آدمی کو بدمست کردیتی ہیں اوسطرح روحی قوت کسی نتیجہ کی تاثیر جسم پر پیدا نہیں کرتی اسکی
یہہ معنی ہیں کہ ایسی مخلوق میں ملکوتی صفات کم ہیں اور خبیثہ قوتیں زیادہ ہیں اور جن میں
ملکوتی اوصاف غالب ہیں اونکی روح ناقص نتیجوں کی تاثیر کو برے ارادوں سے پہلے
دکہا دیتی ہے اور یہ وہ روحیں ہیں جو قدرتی بناوٹ کی وجہ سے جسطرح آئینہ آفتاب نور کو
زیادہ حاصل کرتا ہے اوسیطرح وہ ذات کسی نور سے زیادہ مستفیض ہوتی رہتی ہیں۔
ذات الٰہی کا فیض کسی شے میں حلول نہیں ہوتا بلکہ اوسکی تاثیر اوسکی صفت مخلوق
کی ہستی کو قایم رکہتی ہے یا قواے جسمانی اوسکے ذریعہ سے جو قوت حاصل کرتے ہیں
ضروری حرکت کیا کرتے ہیں مگر ارادہ اور برائی بھلائی کی امتیاز جو عنایت ہوئی ہے
ہمکو مجرم بنا رہی ہے اور امر و نہی کا تعین کرکے عجیب قسم کی مخلوق سے کام لیکر
خدائی کا اظہار منظور ٹہر گیا ہے ورنہ یہ بھی کوئی بات ہے کہ ایک پیسہ کسی مسکین کو دیکر
جنت خریدلو اور ایک طمانچہ یتیم کے مارکر جہنم نصیب بنجاؤ۔
مولانا نے ایک موقعہ پر مختصر بحث جنت و دوزخ کی بابت یہ لکہی ہے کہ ہر قسم کی

اشیاء لذت دار ہوں یا بے لذت ہوں لذت اور تکلیف دونوں ہی سے خبر ہیں تو اس صورت میں اونکے اجزا اور کا شیرازہ بھی جدا جدا کر کے اپنی اپنی جا پہونچا ئینگے مگر چونکہ یہہ تقسیم راحت و رنج بھی اوس تقسیم نیکی و بدی میں داخل ہے کیونکہ لذت بھلائی کے اقسام میں سے ہے اور رنج برائی کے تو اونکی اصل یہی وہ ہی دو مقام ہوں جنکو بہشت و دوزخ کے نام سے لیکر تعبیر کیا ہے ۔

مولانا کا اصل مقصد یہہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز کی اصل اور ہے اور فنا ہونے کے بعد ہر شے اپنی اصل میں ملجاتی ہے جیسے شعلہ کا رخ ہمیشہ کرہ نار کیطرف ہوتا ہے اسیطرح تمام عالم سفلی عالم علوی سے کچھہ مناسبت یا تعلق رکھتا ہے اور اس دلیل سے کسیکو انکار نہیں ہوسکتا جبکہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ آفتاب کے نور سے تمام زمین فیضیاب ہے اور نباتات کا پتہ پتہ ستاروں کے اثر سے قایم ہے اسوجہ سے راحت و رنج کا بھی ضرور مرکز ہے اور جب اعمال میں خیر و شر کی تاثیریں ہیں تو اونکے لئے جزا اور سزا ہونا بھی خلاف قیاس ہے جبکہ دنیا میں ہی بچشم ظاہر ہر جرم کی سزا اور بھلے کاموں کا اچھا نتیجہ دیکھتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ پہلے اصول کے موافق یہاں کا جیل خانہ دوزخ کا نمونہ قرار دیا جاوے ۔

بعض حکماء اور خصوصاً اہل ہند سمجھے ہوئے ہیں کہ انسان اپنے اپنے اعمال کی سزا کسی جنم میں پاتے رہتے ہیں اور اونکے نزدیک اواگون ایک عرصہ سے قایم ہے لیکن اسپر کوئی قوی دلیل نہیں بیان کی جاتی بلکہ صریح طور پر معلوم ہوتا ہے ۔ کہ رنج و راحت کی امتیاز حس اور ادراک پر موقوف ہے اور جب کسی جون میں یہہ تمیز نہیں ہوتا کہ کسی شخص کو جب رنجور بیگار دیگر سے کیا تکلیف ہوتی ہے بلکہ اوسکی کایا ہی ہوجاتی ہے ۔ اور ہولی میں بڑے شوق و ذوق سے کود کود کر فحش بکا کرتے ہیں اگر اونکو یاد ہوتا کہ میں کسیوقت ایسا شخص تھا کہ تمام دنیا پر حکمران تھا تو اوسکو یہہ کودنا کبھی بھلا نہ معلوم ہوتا

بلکہ یہی اور اک ایسی تکلیف کا سبب ہو جاتا کہ ہنوز درگور رہتا اوسوقت یہہ کہنا موزون تھا
کہ پہلے جنم کے کرتوت بھگت رہا ہے اسکے علاوہ انسان کی بنیاد ناقص ہوئی جاتی ہی
اسوجہ سے کہ لڑکی جب پیدا ہوتی ہے تو اوسکے ساتھہ نسب نامہ نہیں ہوتا اس لاعلمی
سے ممکن ہے کہ باپ بیٹی سے مشغول رہے نعوذ باللہ من ذالک یہہ بھی جانے دو
اتنا خیال کرو کہ انسان کی جون سب سے زیادہ اشرف اور نعمت ہے بہرحال اس جون میں
آدمی اچھے کرموں کے وجہ سے پیدا ہو سکتا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ سب ایک حالت کے
ساتھہ خوشحالی میں نظر نہیں آتے اور اگر یہہ کہا جاتے کہ ان میں تفریق اعمال پیدا ہوتے
میں تو کیا سبب ہے کہ ہم برہمنوں اور سادات کو بھی گدائی میں دیکھتے ہیں اور ایسے چمار
جنہوں نے پیدا ہو کر کوئی اچھا عمل نہیں کیا امیر کہلاتے ہیں غرضکہ یہہ عقیدہ تو ہر طرح
بیجا اور مہمل ہے خیر یہہ بحث اتفاق سے میرے اصل مقصد کے خلاف چھڑ گئی اسوجہ سے
اسکو یہیں تک چھوڑ کر اصل مطلب کی طرف رجوع کرتا ہوں کیونکہ میری اصلی غرض یہی
کہ خدا کا وحدہ لاشریک ہونا ہر طرح پر ثابت ہے اور اوسکی تمام مخلوق کا زیادہ تر اسی
یقین پر اتفاق ہے کہ ہمارا کوئی خالق ہے اور ہم ضرور کسیکی مخلوق ہیں اسکے بعد ہمکو

رسالت | یہہ بتانا باقی ہے کہ علاوہ قیاسات اور دلائل عقلی کے دوسرے
کونسے طریقے سے ہمکو ثابت ہوا کہ اس کارخانہ کا کوئی بنانے والا ہے جو ہر چیز پر
قادر ہے اور جسکو ہم اپنی زبان میں خدا کہتے ہیں وہ یہہ طریقہ ہے کہ دنیا میں سب سے
پہلے ایسا شخص بھیجا گیا جو درمیان اپنے اور خدا کے صرف ایک واسطہ رکھتا تھا جسکو
ایک قوت الہامی یا روح قدسی یا جبرئیل الٰہی کہنا چاہیئے جو بمقتضائے مشیت ایزدی
تمام حوایج ضروریہ کے رفع کرنے کی تدبیرات بتایا کرتے تھے ورنہ ایسا شخص جسکو
کسی قسم کی معلومات نہوئی ہوا اور جو شروع عمر سے کسی حصار کے اندر تنہا رکھا جائے
وہ فطرتاً کتنا ہی ذہین کیوں نہو انسانی طرز معاشرت سے لاعلم ہی نظر آئے گا۔ اسوقت

کہ عالم ہزار خوبیوں سے آراستہ ہو رہا ہے اور ہر شخص کو بجائے خود پوری آزادی حاصل ہے مگر اکثر دیہاتی آدمی ہزاروں چیزوں کے نام سے واقف نہیں ہیں اور اونکی کیفیت کا علم تو بدرجہا خلاف قیاس ہے اسوجہ سے سب سے پہلے ایسا ہی شخص بھیجا گیا جو تعلیم خداوندی سے آراستہ ہوتا رہا اور اوسی ایک شخص کے ذریعہ سے ہم تک خدائے واحد کے احکام پہونچتے رہے جنسے ہمکو اخلاق کی درستی کیلئے اعلیٰ درجہ کا سبق ملتا تھا یہی لوگ پیغمبر اور رسل کہلائے گئے بہرحال ان مقدس نمونوں نے بہت روز دنیا میں خلافت اور سلطنت کے دونوں کام انجام دئے مگر تاہم فطرت انسانی بُرے اخلاق کی موجد ہوتی رہی اور اونکے عقائد ایمانی یہانتک خراب ہوئے کہ خدا کے وجود سے انکار کرکے انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کو ہیچ کارہ سمجھ لیا اور نبوت کی امتیاز دلیل اور شہادت معتبر میں قایم ہوگی یہ حضرات قدرتی طور پر اعجاز اور کرشموں سے بنائے گئے تھے صورت میں انسان تھے مگر اونکے پاکیزہ نفوس نے اونکے قالب کو بھی اپنا سا بنا لیا تھا اونکے بعض اعجاز مشہور ہیں جسطرح کہ داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں آہن موم ہوتا اور موسیٰ علیہ السلام کا عصا سانپ بنتا یا رود نیل کے ٹکڑے عصا کی ضرب سے ہوجاتی اسکے علاوہ عیسیٰ علیہ السلام بے باپ پیدا ہوئے یحییٰ علیہ السلام ایسی حالت میں پیدا ہوئے کہ اونکے باپ اور ما دونوں ناقابل مولود ہوچکے تھے ان سب سے آخر زمانہ میں ہمارے حضور علیہ الصلوۃ والتسلیم ظاہر ہوئے بچپن ہی میں یتیم و مسکین بنائے گئے۔ چھوٹی سی عمر میں گرممتاز کئے گئے تمام مخلوقات و موجودات پر اگر سچ پوچھو تو یہی ایک معجزہ اونکی نبوت اور صداقت کے لئے مخلوق خدا کے لئے کافی تھا لیکن تاہم منکروں کی قطع حجت کے لئے سنگریزوں کو گویا کرنا اور ماہتاب کو انگشت شہادت کے اشارے سے شق کرنا پڑا۔ لیکن انکار اور اقرار بھی بُرائی اور بھلائی کی طرح جو قدرت کی مشیت میں پہلے سے ہی تھا اسوجہ سے بہت سے نبوت کے اگر قایل ہونے تو اکثر انکار کرنیوالی

بھی پیدا ہو گئے تھے لیکن اسوقت تک ہزار ہا تغیرات سے دنیا ایسی حالت پر آ گئی تھی اور اونکے پاس ایسے اسباب ظاہر مہیا ہو چکے تھے کہ جنکی وجہ سے اپنی دینی و دنیوی ترقی آپ ہی کرنے کے لیئے تیار رہتے یہی وجہ حائل ہو گئی کہ جسنے خداوندی حکمتوں کا کا نزول روک دیا اور انبیا علیہم السلام کا تشریف لانا مسدود ہو گیا بلکہ خدا نے مخلوق کو ایک بڑے امتحان کے احاطہ میں چھوڑ دیا جو اصل مقصود تھا اب صرف عقل انسانی کے گھوڑے دوڑنے لگے اور ہر شخص حد ادراک تک دوڑ کر فنا ہوتا گیا گر ہر شخص ایک جدید اخلاق کا موجد قرار پاتا رہا بہر حال جن لوگوں کے نفوس کی برکت سے دنیا آراستہ ہوئی اونہیں سے مسلسل اوقات پر دریافت ہوا کیا کہ ہم کسکی ملک ہیں اور ہمارا بنانے والا ہمارے کاموں کو ہر وقت دیکھ رہا ہے اسلیئے ہمپر فرض ہے کہ ہم اپنی عقل کے ذریعہ سے بپابندی شرائط احکام الٰہی جو معتبر وسائل سے پہونچی ہیں اپنی پیدائش کی ضرورت کو معلوم کرتے رہیں۔ اور ایام زندگی جو لمحہ لمحہ کم ہوئے جاتے ہیں اونکو ایک بڑی نعمت سمجھکر رائیگاں نکریں۔

قرآن پاک

احکام الٰہی۔ زبور۔ توریت۔ انجیل میں جو مقدس کتابیں مشہور ہیں پہلی مخلوق تک پہونچی ہیں ان میں تاہم فروعات میں اختلاف ہے ورنہ اصول یعنی خدا کی وحدت انبیا علیہم السلام کی رسالت حقوق والدین ہمدردی ہمسایوں کو ایک ہی صورت سے بیان فرمایا ہے اور طریقہ ناکمل کے ساتھ اونکے محافظ یا یوں کہیئے کہ معتقد اب تک دنیا میں موجود ہیں انہیں کتابوں کے احکام بتوضیح مناسب اور اکثر موجودہ ضرورتوں کے لحاظ سے ایک مجموعہ اخلاق دستور العمل انسانی بنام قرآن شریف نبی آخر الزماں کے واسطہ سے آخر زمانہ میں اوتر چکا ہے مجکو یہاں بتا دینا چاہیئے کہ قانون بادشاہ کی ضرورت اور اخلاق کے نتایج کا نام ہے اور جسطرح انسانوں کی ترقی ہوئی اونکا اخلاق بڑھکر مختلف ہو گیا دنیا کی آبادی حد وسط پر پہونچ چکی اسوجہ سے جو کچھ مشیت ایزدی میں تھا وہ سب ظاہر کر دیا گیا اور ہدایت الٰہی عام ضرورتوں کے لایق مکمل اس آخر ذریعہ سے ہم تک پہونچ گئی

یہی وجہ ہے کہ چودہ سو برس کے اندر نہ کوئی نبی ہوا نہ اوتار اور جو دستور العمل ہمارے حوالہ کیا گیا وہ ابھی تک اوسی عبارت اوسی مضمون کے ساتھ ہمارے پاس موجود ہے اور دنیا میں ایسی کوئی کتاب کسی مذہب اور ملت والوں کے پاس نہیں ہے اس مقدس کتاب کے اصول یہہ ہیں۔

اول۔ خدا وحدہ لاشریک اور واجب الوجود ہے اوسکی ذات یا صفات میں کوئی شرکت کے لائق نہیں ہے وہ قدیم ہے اور قدیم ہوگا۔

دویم۔ انبیاء علیہم السلام انسانوں میں سے ہیں ہماری جنس کی رعایت سے ہم میں خداوندی احکام کے پہونچانے کو تشریف لائے ہیں وہ سب سے افضل اور سب پاک ہیں

سویم۔ حقوق باہمی نتایج ہمدردی سے آدمی کو انسان بناتے ہیں۔

چہارم۔ پاکیزگی سے اخلاق انسانی درست ہوتا ہے۔

پنجم۔ آدمی بندگی سے بندہ کہلاتا ہے۔

یہہ پانچ اصول جو اوپر ظاہر کیئے گئے بہت سے احکام کے ساتھ وابستہ ہیں جنکی تفصیل خود کلام الٰہی اور حدیث نبوی میں موجود ہے مگر ان اصولوں پر نظر ڈالنے سے ہمکو تو یقین ہو چکا ہے کہ سب سے پہلے یہہ پسندیدہ دستور کوئی انسانی دماغ ظاہر نہیں کر سکتا۔

حدیث انبیاء علیہم السلام ہماری ہدایت اور تعلیم کے لئے تشریف لائے اونکا ہر ایک قول اونکا ہر اک عمل ہمارے لئے قانون اور ہدایت ہے مسلمانوں کیلئے سب سے عمدہ کام جو کیا وہ یہہ ہے کہ کلام الٰہی کو سینوں میں محفوظ رکھا جو اسوقت تک ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے اور اپنے نبی کے قول و فعل کو معتبر تحقیقاتوں کے ذریعہ سے اسلامی تعلیم کا وسیلہ قرار دے لیا یہہ تحقیقاتیں ایسی مکمل اور بےنظیر ہیں کہ کسی ملت و مذہب میں کسی دانشمند نے نمونہ کے طور پر بھی کسی ایک مسئلہ کی بابت کوئی نظیر قایم نہیں کی ایسی دستور کا نام ملت اسلام میں شریعت رکھا گیا اور ایک دوسری کیفیت جو سینہ بسینہ مشتاقان حقیقت کو

پھونچتی ہے اوسکو اصطلاح میں طریقت کہا جاتا ہے۔

طریقت جو بلاشبہ الہام الٰہی اور نفوس مقدسہ کی پاکیزگی کے حصول کا ایک سبب ہو جاتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ عشق کی سوزش انسان کو کہیں سے کہیں پھونچا دیتی ہے اسکی تفصیل وتشریح میں رسالہ اسرار محمدی میں لکھ چکا ہوں یہاں اتنا ہی ظاہر کرنا کافی ہے کہ حضرات چشت قلب میں ایک شعلہ رکھتے ہیں کہ جبتک اپنی حد کو نہیں پھونچتا فرد نہیں ہوتا اور حضرات قادریہ کا بھی شعلہ بھڑکتا ہے لیکن انسان کو حد شریعت سے باہر نہیں جانے دیتا۔ یہی شعلہ نفوس قلندریہ میں جب بھڑکتا ہے تو آدمی بے اختیار ہو جاتا ہے۔ منزل سلوک میں پھونچ جائے یا دریائے جذب میں بہہ جائے۔ یہی آتش عشق حضرات نقشبندیہ کے قلوب میں پنہاں ہے انہوں نے اسکو سنت نبوی کے برادہ میں جو صندل کی مثل ہے داب رکھا ہے اور ہمیشہ شوق کے بلور سے بھڑکاتے ہیں اور اسی برادہ سے دبا لیتے ہیں اس سے زیادہ جو چلانتے ہیں جانتے ہیں میں اس شغل میں بیس برس کی مدت میں اتنک ناکام ہوں لیکن مذاق عشق بجاے دل کے کچھہ سخن میں آگیا اوسکو میں اس یادگار کے آخر میں نمبر کا درج کرتا ہوں۔

نظم عاشقانہ

کیا افتخار ہیچ ہے شیوہ نیاز کا
سیاح جانتے ہیں حقیقت کی رسم وراہ
اوسنے تو کوئی بھید چھپا کر نہیں کہا
صنعت میں ہے حقیقت صنعت گری تمام
حور وقصور تمکو مبارک ہوں زاہدو

لپٹا ہوا ہے شوق میں ہر حرف ناز کا
رستہ کسے نصیب ہے کوئے مجاز کا
انسان آپ راز ہے ہر سوز وساز کا
ہر آئینہ میں عکس ہے آئینہ ساز کا
ہمکو خیال ہے کسی گیسو دراز کا

بار حیات آپ ہی پھینکے کا شوق دل — احسان حضر اوٹھائینگے عمر دراز کا

(۱)
علوی کسی ارادہ پہ قادر نہیں رہا
پوچھو نہ ہمسے حال اوس آشفتہ کا

ہر اک گھر میں ترا جلوہ عیاں تھا — اگر آنکھوں سے تو سب کی نہاں تھا
ارے بسمل خیر سے تو کہاں تھا — قبا میں تو کسی گل کی نہاں تھا
رہی مد نظر تسکین دل کی — دگرنہ ہر جگہہ اک لامکاں تھا
جہاں خیمہ کیا اک رات ہمنے — وہ جولاں گاہ مرگ ناگہاں تھا
جسے کہتے ہیں ہم ہستی جہاں میں — تماشا ہے وہ نقش بے نشاں تھا
نکلکر ہم کدھر جاتے کہاں سے — قضا کے ہاتھہ میں تیر و کماں تھا
عدم سے جسکی ہمکو جستجو تھی — خدا جانے وہ ہرجائی کہاں تھا
جلایا طور کو اک ہی لپٹ نے — جگر میں کسطرح سوز نہاں تھا

(۲)
نہ تھا عارف اگر علوی مسکین
وسے ہاں خاصہ صاحبدلاں تھا

نظر آرہا ہے ہمیں منھ کسیکا — مرے دل میں ہے عکس کس آرسی کا
میسر ساتھہ ہے شوق ہر دم کسیکا — نہ دیکھونگا تا حشر منھ بیکسی کا
یہاں ابتدا سے ہے رونے کا چرچا — ملا ہمکو کوئی نہ موقعہ ہنسی کا
مگر ٹپنے سے غمزہ ادا کر رہی ہے — سبب ہمکو معلوم ہے ناخوشی کا

(۳)
بلاتے نہیں وہ مدینہ میں علوی
کہ رونا ہے آٹھوں پہر اب اسیکا

سحاب خودنمائی ہے یہ پردہ چشم غافل کا — نہ دیکھا ایک پتہ میں نوشتہ دست عامل کا
وجود شئے زمانہ میں تماشا گاہ عالم ہے — نہ کہنا شعبدہ بازی کہ نقش ہے اک عامل کا

ترے نشان صحرا میں تھکے جاتے ہیں لیلیٰ | پلیٹ دے ایک ہی پردہ کہے تو اپنے محمل کا
مراتب پیروانا کے حصار حد سے باہر ہیں | تعلق ہے سمندر سے ہمیشہ موج ساحل کا

(۴)
ہمارا خون بہا علوی نہ محتاج شہادت ہے
رہا ہے چشم بسمل میں سراپا اوسکے قاتل کا

عبادت اور ریاضت ہے نتیجہ بے حیائی کا | نشۂ الفت میں پاتے ہیں سلیقہ اک رسائی کا
ادیب رسم الفت نے دم آخر بتایا ہے | کہ ظلمت کفر کی کہتا ہے شکوہ کج ادائی کا
حکومت ایک قدرت کی ہے ہر دم نقل و حرکت پہ | کھنچا ہے ہر جگہ نقشہ کسی کی بادشائی کا
زباں میں کس کی قدرت ہے ثنا کر دے بیاں کی | ازل سے آشنا ہاں ہے وہ زیب خود نمائی کا
درساقی پہ ہوتی ہے منادی جوش وحدت میں | [illegible] آ کر جو منکر ہو خدائی کا
کبھی گر آپ کو دیکھیں تو پائیں یار کی صورت | نہ دیکھا آفتاب نے ہمنے طریقہ خودنمائی کا
ادائے لطف جاں بخشی برائے جاں گرفتن ہے | کہ نیو کر کوئی قایل ہو تمہاری دلربائی کا
کبھی تم مہربان ہوکر بٹھا دو سر کو ٹھوکر سے | یہ سمجھا ہے دل مضطر نتیجہ جبہ سائی کا

(۵)
عجب حالت ہے علوی کی حیات چند روزہ میں
نہ ہمت عشق بازی کی نہ دعویٰ پارسائی کا

لطف دنیا بھی چاہ میں دیکھا | اس سے زیادہ نباہ میں دیکھا
اے قلندر وہ [illegible] کا شعلہ | سب نے تیری کلاہ میں دیکھا
رنگ بیچوں و بیچگونی کا | تیرے خال سیاہ میں دیکھا
تیر چھوٹا ہوا نہیں پھرتا | یہ کرشمہ بھی آہ میں دیکھا

(۶)
ہم لب گور تک گئے علوی
دوست کوئی نہ راہ میں دیکھا

اب لطف دے رہا ہے ستانا پن تمہارا | بیدار کر رہا ہے دیوانہ پن تمہارا

ہمت نہیں ہے اتنی دربان سے کچھ کہوں نہیں	کہتا ہے دور مجھکو شاہانہ پن تمہارا
سیّد خدا بنایا کس کسکو ایک دم میں	کیا کام کر رہا ہے مردانہ پن تمہارا
آؤ اگر یہاں تک آنکھوں میں دوں جگہہ میں	کبتک رہیگا مجھسے بیگانہ پن تمہارا

(۷) جب تھا نشہ میں علوی تھا دستگیر ساقی
ورنہ گرا ہی دیتا مستانہ پن تمہارا

تصور اوسکی صورت کا مری دلمیں اوتر آیا	عجب پردہ سے حیرت میں وہ آخر مری گھر آیا
خموشی بار خاطر تھی مگر عادت تو اچھی تھی	الٰہی خیر اب لب تک فغان الحذر آیا
نگاہ مست نے تیری کیا مجکو بھی دیوانہ	نہ دیکھی ہمنے آسانی نہ کچھہ مشکل نظر آیا
ہوا ہے مست کیوں ساقی کسے دیکھا ہے پیالہ میں	مجھے بھی کچھ خبر دینا کہاں سے تو کدھر آیا

(۸) جبیں یار نے مژدہ دیا ہے نوجوانی کا
مبارکباد اے علوی کہ اب دور قمر آیا

مد نظر ہے قتل سے دیدار دیکھنا	شوخی شہید ناز کی اے یار دیکھنا
ملنے کی تیرے سیکڑوں تدبیر کر چکے	باقی رہا ہے شوق کا معیار دیکھنا
مشکل ہزار عشق میں آسان ہو گئیں	مرنے کے بعد سہل ہے دشوار دیکھنا
گردش میں ہیں عناصر ارضی بقیہ عمر	لازم ہوا تعین مقدار دیکھنا
مرنے کے وقت آنکھ کہلی رہگئی مری (ق)	مد نظر نہ تھا در و دیوار دیکھنا
تار نیاز حسن محبت کا ہے صلہ	انجام کار حسرت دیدار دیکھنا
مشتاق منتظر ہیں بہت نفخ صور کے	ہے اونکو حشر میں تری رفتار دیکھنا
مانا کہ آج بحر علائق میں ہوں غرق	دو ہاتھ میں مجھے بھی کبھی پار دیکھنا
پست و بلند کی تو ہوئی سیر سب تمام	باقی ہے چشم پوشی ستار دیکھنا

(۹) سودا کا قول علوی مضطر کو ہے پسند

جو کچھ خدا دکھائے وہ لاچار دیکھنا

بہت دور ہے ہمسے پیارا ہمارا — نہیں ہند میں اب گذارا ہمارا
ہمیں پیار کرنا ہے پیارا ہمارا — بلندی پہ ہے کیا ستارا ہمارا
کہیں دل کو کھو بیٹھے حضرت سلامت — اب ہونا ہے ہر گھر میں چرچا ہمارا
گھٹے جاتے ہیں کیسے ایام ہستی — کرا دو نجات اب ہمسے سایا ہمارا

بتائیں کسے دوست علوی جہاں میں
مدینہ میں ہے اک سہارا ہمارا (۱۰)

نظم برائے مولود شریف حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

کرتے ہیں آج ذکر محمدؐ کے نور کا — صل علیٰ کا شور ہے نغمہ طیور کا
آئیگی جائے شمع تجلے کوہ طور — ہو اہل بزم دور شراب طہور کا
آمد ہے قدسیوں کی بصد شوق بزم میں — سایہ ہے شمیہ رحمت رب غفور کا
مژدہ ہو اہل درد کو دیدار کا ہے وقت — جاری دلوں میں ہوتا ہی چشمہ سرور کا
مولود کی ہی بزم ولادت کا ذکر ہے — کھولو تو آنکھ دیکھ لو تڑکا ہی نور کا
کہتا ہی گوش ہوش میں ایماں بصد یقیں — شمس الضحٰے خطاب ہی مطلع ہی نور کا
اک وہ سحر تھی جسمیں کہ پیدا ہوئے حضور — اس رات میں ہی ذکر اوسیکے ظہور کا
الفت میں اب عیق نہیں ہوتے ہیں ناصحا — اوٹھا ہی ادنی آنکھ سے پردہ شعور کا
خلوت میں آپ کہتے ہیں ہر وقت امتی — ہم بھی رٹینگے نام ہمیشہ حضور کا
الفت کا تار ہے مری دل میں لگا ہوا — انکار شوق ہوتا ہے حامل قصور کا
ہے روح جبتلک کہ نوا سنج جسم میں — کرتے رہینگے ذکر محمدؐ کے نور کا
دریاے معصیت میں تو ج ہی ناخدا — الفت میں تیری پانے میں بیڑا عبور کا

	سخد ہار میں پہونچ کر بکس ہوئی ہیں ہم ہر منفعل کو عصمت رحمت نصیب ہے	پکڑے ہوئے ہیں زور سے دامن حضور کا انکار فیض دوست ہے شاہ غیور کا
(۱۰)	ہے آرزو مدینہ میں علوی یہ جا کہے حاضر ہے در پہ آپ کے بندہ حضور کا	

کشتہ ناز و ادا کو کیا ملا	بنگیا پہلو ہی دشت کربلا
ہمسے چرخ فتنہ زا پیچھے بنا	پھر کریں اب کیا زمانہ کا گلا
ذات احمد ہے کرشمہ ذات کا	ہے دو عالم کے لئے نور الہدیٰ
عبد اور معبود میں کر امتیاز	کون کہتا ہے کہ انسان ہی خدا
پیغمبر سے باخبر رہتے ہیں دور	وہ نہیں ہوتے شریعت سے جدا
کبریا ہے ہر دو عالم پر محیط	ہستی عالم ہے اللہ و لا
برق عالم سوز کچھ ہم میں بھی ہے	اب کہے دیتے ہیں سب سے برملا
وقت آخر ہے ترے بیمار کا	چارہ ساز ابر سر بالیں بیا

(۱۲)	عشق میں ہو عین علوی کسطرح ہست ما را گہ فنا و گہ بقا

بعض اشعار کے مطالب خام طبیعت نفس مطلب کے خلاف مشہور کر دیتے ہیں اور وہ زیادہ تر غلط فہمی کا نتیجہ ہے با فرط شوق جذبۂ عشق میں کسی نے کچھ کا کچھ سمجھا دیا ہے حافظ خلیل الرحمن صاحب کراوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ؎

عین ذات احد ظہور نمود   نام خود احمد و محمد کرد

اسکے معنی یہ بیان کئے جاتے ہیں کہ جس نور کا نام احمد و محمد رکھا گیا وہ ہی نور عین ذات تھا حالانکہ حضرت کا اصل مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذات احد کا ظہور اوسی نور سے ہوا ہے جسکا نام احمد و محمد رکھا گیا اور جو نور ظاہر ہوا باعتبار چشم ظاہر وہ ہی ہمارے لئے عین ذات ہے

کیونکہ صفت ذات سے جدا نہیں ہوا کرتی اور جبکہ خود حضور نے ارشاد فرمایا کہ تم یوں کہو کہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ تو پہر کسی شخص کو تاویل کا موقعہ ہی نرہا حقیقت شناسوں کا مضمون اکثر اونکے مفہوم میں ہوتا ہے وہ کسیوقت شریعت سے آپ کو جدا نہیں کرتے اسلئے عوام کو لازم ہے کہ اس قسم کے ہراک مضمون کو شریعت سے مطابقت دیتے رہیں اور یقین کرلیں کہ خدا صفت انسانیت سے بالاتر ہے اسوجہ سے اوسکا جسم میں آنا اور ہونا انسانی اوصاف اور ہرطرح کے مثالوں سے پاک ہے زیادہ تراسوجہ سے کہ غیر معلوم کیفیت کی تعریف بجز بیچون وبیچگوں کے کچھ نہیں ہوسکتی انہیں حضرت نے جنکا ذکر اوپر ہوا دوسری جگہہ فرمایا ہے ؎ جلہ عالم قرار یافت ازاں ٭ در لباس بشر خدا آمد- یہہ آمد جسکا ذکر شعر میں ہے بہ کیفیت حلول نشے فرض کرنا چاہیئے بلکہ مطلب یہہ ہے کہ انسان کے ظہور سے پہلے خدا کسی علم میں نہ تھا نہ علم غیر کا ظہور تھا لباس بشری میں اوسکی وحدت اور اوسکے وجود کا ظہور ہورہا ہے کیونکہ انسان نے سمجھا کہ ہمارا ایک خالق ہے جس سے اوسکا واحد ہونا ثابت ہوگیا اور اسی سے وہ واجب الوجود بہی ثابت ہوا اور اسی طریقہ میں لباس بشری میں اوسکی آمد بہی معلوم ہوگی اور معنی شعر میں بھی کوئی تکلف نہیں رہا یعنی چونکہ لباس بشری سے خدا کو اپنا وجود ثابت کرنا منظور تھا اسلئے تمام عالم نے قرار پایا ہے ورنہ ہر شے لاشے کی حقیقت میں ہے -

عارف موصوف نے اپنے دیوان میں خالق اور بندہ کا تفاوت جو ظاہر کیا ہے اوس سے یہ امر ثابت ہے کہ اونکا بہی یہ خیال نہیں ہے کہ خالق ومخلوق میں کوئی جدائی مابہ الامتیاز نہیں ہے نہ کوئی باخبر اہل عقل اسکو مان سکتا ہے -

اشعار

چندانکہ بالا میروی ذات خدا برتر بود
عبد عبد است بس خدا است خدا

پس بناے عارفاں حقا ہمیں باشد ہمیں
ہم زغیبم چنیں ندا آمد

کوئی باکمال شخص مختلف الخیال نہیں ہوتا اور جو خود اسقدر توضیح کے ساتھ خالق اور مخلوق کی امتیاز کو بیان فرما رہے ہیں وہ اشعار مذکورہ بالا کو ہمارے مطلب کے خلاف موزوں نہیں کرسکتے گو مسئلہ وجود و شہود ایک مدت سے زیر بحث ہے مگر ہماری نزدیک صرف سمجھہ کا ہیر پھیر ہے عاشق بیخود ہوکر جو کہتے ہیں اونہیں کہنے دو وہ واقع میں بجز محبوب کے سبکو نہیں دیکھتے عام لوگوں کو عقل کی میزان میں ہر خیال کا وزن کر لینا چاہیے اوسکے بعد یہی ثابت ہوگا ۔ ؎

کہ بچشمان دل مبیں جز دوست	ہرچہ بینی بداں کہ مظہر اوست

ستم اندوز حیرت ہے تماشا سنگ طفلاں کا	کہ ہر قطرہ کو دعویٰ ہے سر خون شہیداں کا
تعلق ہے مسلسل سبکہ اثبات دو عالم میں	پہننا ہے ہمیں ہر دم یہ پھندہ دام امکاں کا
اگر انسان کو اپنے بنایا اپنی صورت پر	تو یہ نقشہ ہے بے تشبیہ کیسا سر یزداں کا
بھلایا خو‌ئے نسیاں نے ازل کی ردکاری کو	بڑا الزام ہے انساں پہ زاہد عہد و پیماں کا
پریشاں کی پریشانی پریشاں کر ہی دیتی ہے	تسلی بخش کیونکر ہو تصور زلف جاناں کا
مجھے تم غور سے دیکھو شکستہ دل سے ہوتے ہیں	کہ خود بنتا ہے آئینہ تحیر شکل حیراں کا
نہ روکی ضبط کی خوبی نہ دامن کی انکساری کی	سر مژگاں نہ تر دیکھا کبھی اس چشم گریاں کا

(۱۴)

حیا تھی نور کو وحدت میں کثرت کی حجابوں سے
کھلا ہمسے ہے اے علوی یہ عقدہ راز پنہاں کا

لخت جگر طیور نے چن چن کے کھالئے	یک قطرہ لہو سر مژگاں نہیں رہا
ضبط فغاں کا شکریہ کرنا محال تھا	اچھا ہوا کہ قابل احساں نہیں رہا
دل میں کسی کے ضبط کی ہمت نہیں رہی	جیسے کہ ذکر وعدہ و پیماں نہیں رہا
انسان ازل سے فخر ملائک ہوا ابتک	لیکن خودی میں انکے انساں نہیں رہا
حیرت تو یہ ہے بہر تسلی فراق میں	زخموں میں میرے ایک بھی پیکاں نہیں رہا

زلفوں کا رخ ہوا سے پس پشت ہوگیا
مکڑوں کا اسکو کوئی نگہباں نہیں رہا

(۱۴)
علوی مریض عشق سنبھل جائے کسطرح
تسکین کا تو اک بھی ساماں نہیں رہا

منور ہوگیا اک دم میں مطلع نور احمد کا
لکھا جب علم میں نقشہ فقط اللہ کی مد کا

وہ خود تھا سایہ اصلی نہ تھا سایہ بھی قد کا
حقیقت میں جو خود سایہ تھا اک نور مجرد کا

رہا لاکھوں برس غوغا فلک پر نور احمد کا
بجے گا حشر تک ڈنکا زمیں پر اسم محمدؐ کا

یقیں ہے عاشقو ہم بھی ڈھونڈینگی حق کے پیاروں میں
ہماری ہی حقیقت میں اگر ہے نور احمدؐ کا

رہے جو عمر بھر زاہد گریباں چاک الفت میں
وہی پکڑینگے محشر میں فقط دامن محمدؐ کا

میری دل میں ہے وہ الفت بہت ان سے نشاط افگن
کہ شوق کو کہن ہے اک لیٹا اوسکی مسند کا

نیا طبین فرش دنیا پر کلیجہ تھام کر بیٹھے
زمین و آسماں میں شور تھا اوسکی آمد کا

نہ بھولے سے کبھی تمنے خطا وار وں سے نفرت کی
کریں کیا شکر اے دلبر تمہاری لطف بیحد کا

(۱۵)
یہی ہے آرزو دل کی مدینہ میرا مسکن ہو
غبار آستانہ ہو نشاں علوی کے مرقد کا

مظہر رب ہے نمایاں سارا کمال تیرا
صل علی کی شان ہے حسن و جمال تیرا

اوڑ جا غبار بنکر وہ پر کسیکے گھر جا
کام آئیگا یہ کسدن زاہد کمال تیرا

اے دل کدھر ہی مائل ہم ہجر میں تجھسے
نالوں سے پوچھتے ہیں دن رات حال تیرا

سوز دروں بھڑک جا حافظ ترا خدا ہے
میرے رقیب دیکھیں کچھ تو جلال تیرا

(۱۶)
مجنوں نے اپنے سر پر بار الم اوٹھایا
کرتا ہے حشر برپا علوی ملال تیرا

شوق کا دریا تو ہمکو ہر جگہہ پایاب تھا
نوح کا طوفاں جس میں جابجا سیلاب تھا

ہجر میں آہیں نیرا بیخود دبیخواب تھا
صبر بیتابی میں اوسکو گوہر نایاب تھا

حدت سوز جگر سے خشک تھا میرا گلا — نالہ کیا اٹھتا کہ سینہ ہی سد باب تھا
ایک وہ شب تھی کہ خود تھا وہ کسی کا منتظر — ایک شب وہ تھی کہ موسیٰ بات بھر بیتاب تھا

(۱۷)
کیا ہوئیں اس علوی مغموم کی خوش رنگیاں
جو سدا گلدستہ ہر محفل احباب تھا

(۱۸)
انسان لباس ہستی میں پردہ ہے راز کا — باغ عدم میں خوب کھلا گل نیاز کا
میں اور دست پائے امکاں ہے ہم سفر — تو ایک نقش منزل دور و دراز کا

تقاضا ہے نگاہوں پر ہماری چشم حیراں کا — نکھرتا حال غیروں سے کسی کے راز پنہاں کا
بہار حسن عصیاں ہے رخ مایوس انساں کا — کہ اک گلدستہ ہے عالم میں یہ ہی طاق نسیاں کا
جنوں میں زندگی قایم ہے اپنی ایک حیرت سی — وگرنہ موت کے سر پر ہے ہر دم پاؤں حرماں کا
ضرورت سوز الفت کی ہے کشت نو ایماں کو — سر خورشید کا سایہ ہے خون گرم دہقاں کا

(۱۹)
حجاب ہستی علوی بنا ہے دونوں عالم کا
نگاہ جسم ہستی میں اثر ہے برق تاباں کا

ہائے فردوس سے کس طرح میں یہاں نکلا — قیس گھر سے بھی نہ یوں بے سروساماں نکلا
موج زن بحر تعلق در امکاں پہ رہا — طایر عرش نما اپنا پر افشاں نکلا
وسعت شوق ہوئی آپ ہی حیرت کا سبب — دل میں ارمان جو آیا وہ پریشاں نکلا
جوش حسرت میں کہیں تاب خموشی نہ رہی — ہائے لب سے مرے اک شکوہ پنہاں نکلا
عذر خواہی ہے حقیقت میں یہ آغوش کرم — سخت مشکل جسے سمجھا وہ ہی آساں نکلا

(۲۰)
شوخی عقل نے عصیاں کو بڑھایا علوی
ایک قطرہ جسے سمجھا وہ ہی طوفاں نکلا

تیری الفت نے اثر اچھا کیا — جس نے بے صبری کو استغنا کیا
اے دل ناداں شوق وصل میں — خوب تو نے آپ کو رسوا کیا

کیا کہینگے گر یہی پرسش ہوئی — آئے تہے تم کس لئے اور کیا کیا
دفن کر کے ایسے بہولے دوست ہی — عمر بہر چہرہ چانہ پہر اپنا کیا
خود غلط بود آنچہ دیدم ماجرا — چشم احول سے میں کیا دیکھا کیا
ہے سرور بادہ کا لاتقنطوا — اس بہروسے نے ہی لا پرتوا کیا
اپنے گہر میں منزل مقصود ہی — راستہ اوسکا کہاں ڈہونڈا کیا
عمر ساری وقف حرماں ہوگئی — کوئی پوچہے ہمنے آکر کیا کیا

(۲۱)
موت کا ڈنکا سدا بجتا رہا
اسپہ علوی رات دن سویا کیا

یہ سر آج زیب سناں بنگیا — ٹھکانا نہ تہا آشیاں بنگیا
نہ صیاد کا کچہہ رہا رنج و غم — کہ رہنے کو اب لامکاں بنگیا
خدا سے ڈرو یہ تو تحوت نہیں — قفس دیکہہ جو بے زباں بنگیا
ہوئی اونپہ وحشت مری آشکار — یہ رہنا مرا چپ بیاں بنگیا
الم کچہہ دنوں جو چہپائے رکہا — وہی چپکے چپکے فغاں بنگیا
ہوا پر اوڑا کے سدا خاک گور — مزار عزیزاں کہاں بنگیا

(۲۲)
خدا جانے علوی ہوا کیا سبب
کہ دشمن ہر اک مہرباں بنگیا

خدا کی شان ہے ورنہ کہیں میں — حرم کو چہوڑ بتخانہ میں رہتا
بہر آیا زخم دل کس آرزو میں — خط انداز پیمانہ میں رہتا
تمنا دل میں کیا ہوتی ہمارے — بہلا کیوں کوئی غمخانہ میں رہتا
اگر موسیٰ بہی کچہ برداشت کرتے — تو سوز شمع پروانہ میں رہتا
مآل اندیش خاطر عام ہوتی — تو ذوالقرنین ویرانہ میں رہتا

(٢٣)

اگر وحشت سرور افزا نہوتی
تو علویؔ آکے میخانہ میں رہتا

کسکی زمیں پہ ہیں یہ بنے دوش نقش پا
بنتی ہے آنکھ شوق میں سر پوش نقش پا

وہ دن کہاں نصیب کہ آتے نبی میری گھر
ہے یادگار شکل فراموش نقش پا

پابوسی حبیب کا اچھا ملا یہ طرز
ہم خاک بنکے ہوتے ہیں آغوش نقش پا

یارب زمین کعبۂ اقدس پہ کون تھا
کہتے ہیں مرحبا لب خاموش نقش پا

(٢٤)

علویؔ عبث پڑے ہو ثواب و عذاب میں
بنجاؤ تم کسیکے ہم آغوش نقش پا

اوڑا لیجائے گی ہمکو صبا کیا
غبار منتشر میں اب رہا کیا

دم نزع ہوا معلوم ہمکو
کہ کیا منظور تھا ہمنے کیا کیا

نہیں منظور گر جلوہ دکھانا
جواب لن ترانی میں حیا کیا

ترے بیمار ہیں طالب اجل کے
اگر اچھے ہوئے اچھا ہوا کیا

دل صد چاک پر مرہم رکھا کیوں
شکست بخیۂ جاں کی دوا کیا

سنوں کیا حضرت ناصح کی باتیں
ہماری جان گئی اونکا گیا کیا

(٢٥)

بھلا تقصیر کیا علویؔ کی اس میں
مآل کار کچھ سوچا ہوا کیا

جلوہ ہی میرے دلمیں محمد خطاب کا
رحمت مآب شافع روز حساب کا

ناکامیوں میں تھا مرا عالم شباب کا
پیری میں خوف ہے مجھے روز حساب کا

ہر دلمیں تو نہیں ہی تو ہر لب پہ کیوں ہی تو
رخ پر نقاب کیسکے لئے ہے حجاب کا

مضطر کی بات اب بھی وہ سنتے نہیں ہی وہ
کرتے ہیں آپ سے ہی تو شکوہ جناب کا

کیا پوچھتے ہو گریہ بےسود کا سبب
ہوگا یہی تو حشر میں حیلہ جواب کا

(۲۶)
خطرہ عذاب حشر سے علوی نہیں ہمیں
دامن ہے ہاتھ میں کسی رحمت مآب کا

رقص بسمل دیکھنا قاتل کو کیا دشوار تھا | ہر دہاں زخم سے جب لحن دنسیقار تھا
ایک بوسہ کی عوض چپکے سے جان دیتے ہیں ہم | ورنہ بکنے کو تو یوسف بھی سر بازار تھا
اب خنجر نشہ الفت کو دکھلانے لگی | جب پلاتا شربت دیدار بھی بیکار تھا
نغمہ ہونے کیا روز ازل مست الست | نالہ دل تھا مرا یا ساز موسیقار تھا

(۲۷)
پھونچ جاتا کوچہ مقصود تک علوی مگر نہ
عشق کی منزل میں حائل قلزم و خار تھا

جیا لگاوٹ کی تنگ میں تھی نظر بناوٹ کا دار میں تھا | نہاں جو صورت مجھ ایک میں ہی اوسکا غوغا بزار میں تھا
رہا ہوں وحشت میں آسمان زمیں کی نیچی ہی چل رہی تھی | وہاں بھی مٹی کا آشیاں ہے یہاں بھی مشت غبار میں تھا
حوالے کرتی ہیں بیکسی کے دبا کے مٹی میں ہمکو تنہا | کوئی ہمارا نہ ہم کسیکے الٰہی کیسے دیار میں تھا
نہ زرد شمع تو سرہانے اپنے نگوں یہ ہی مسافروں کو | میں ڈھونڈتا ہوں تمہاری بستی یہاں تو گل کبھی خار میں تھا

(۲۸)
پکڑ کے کھینچا قضا نے آکر نہ کی حمایت کسی نے اٹھکر
کہ تو اسیروں کیساتھ علوی اسی گمان پہ قرار میں تھا

جہاں میں نہیں کوئی پیارا کسیکا | بھلا خاک ہو یہاں گذارا کسیکا
ترے در پہ آیا ہوں افسردہ خاطر | کہ باقی نہیں اب سہارا کسیکا
نہیں چارہ سازی کرو درد دل کی | کہ احسان نہیں ہو گوارا کسیکا
الٰہی عذاب جہنم ہے آساں | جدا ہو نہ پیارے سے پیارا کسیکا

(۲۹)
نہ مانا کسیکا کہا تم نے علوی
ملے خاک میں کیا بگاڑا کسیکا

کچھ اس میں مدعا ہے کہ بود و نبود تھا | جسکا عروج آپ نزول و رود تھا

زیست شعار طرز العشق ہوا وہی
داغ جگر پسند نے دلمیں بھی کی جگہہ
ضبط فغاں کی مشق میں جاتا رہا اثر

جو لفظ شوق کن میں لباس وجود تھا
اب تو زباں بھی بگوشہ چشم حسود تھا
نالوں میں بھی جب سے اثر ہی تو آہ نغمیں تھا

(۳۰)
علوی مذاق حرص طبیعت پسند ہے
ورنہ بعمر خضر زماں تھا نہ سود تھا

ہستی ما بود گلزار ارم
در الم پنہاں است سر عاشقی
بہر کارے در ازل بخشیدہ اند
حرص در عالم اگر دامن کشد

دیدہ باید ہر گل شاداب را
صبر کے خواہم دل بیتاب را
اشک حسرت دیدہ بیخواب را
دیدہ باید مرقد احباب را

(۳۱)
تو غلام احمدی علوی مترس
حق بخشیدہ سگ اصحاب را

دیتے نہیں ہیں ہم کسی تقریر کا جواب
لکھا ہوا اگر نہیں مٹتا تو کیا ہوا
کہتے ہو کس خیال سے ہمشکل تیغ کو
ہاتوں کو لطف تیغ کشیدن نہیں ملا
لیے صبر اتنا اسے سزاوار قتل تھا

عذر گناہ ہوتا ہے تقصیر کا جواب
ہے خوے صبر شوخی تقدیر کا جواب
تری جبیں پہ ہے تری شمشیر کا جواب
سایہ ہی ہو گیا تری شمشیر کا جواب
دینا پڑے گا تمکو بھی تاخیر کا جواب

(۳۲)
علوی نہیں ہے تجھ میں ہے لکھتا ہے ہمسری
کوئی نہ لکھ سکا غزل میر کا جواب

عذابٌ شدیدٌ کرینہ خطاب
زمیں پر اوس بطور چلتے ہیں ہم
دم نزع کس کس کو یاد کر لیتے

تمہاری ادا ہے ہر اک لاجواب
کہ بہتا ہے پانی پہ جیسے حباب
نہ اپنا بڑھاپا نہ اپنا شباب

گئے حشر میں لیکے وہ تشنہ لب
سبو میں نہ تھا جنکی وہ قطرہ آب

مصیبت تو الفت میں ہر طور ہے
جدائی مگر ہے نرالا عذاب

اگر عام ٹھیری کرم گستری
تو بیکار سب ہے سوال جواب

خطائیں بہ مجھسے خود ہی تسلیم ہیں
تو پھر کسلئے ہے یہ روز حساب

زمانہ کے نیرنگ یوں ہو گئے
کہ یک جمچہ دوزخ است یک جمچہ آب

مشیت کے پابند مجبور ہیں
خدا ٹھرا نکرنا کسی پر عذاب

(۳۳)
کرو اپنو بندہ نوازی حضور
کہ ہے تیرے علوی کی مٹی خراب

نشاط جوانی فرار ثبات
یہ ہے ایک دن اور وہی ایک رات

نہ بخشے تو ہر سہل دشوار ہے
اگر بخشدے تو نہیں کوئی بات

ہوا خاک آخر لباس وجود
ہماری یہی ایک تھی کائنات

رہی اسلئے مجھکو آسودگی
کہ تھا مہرباں ایک عالی صفات

بہت کچھ صلہ حشر میں پائینگے
جو ٹھیری محبت میں تیری نجات

(۳۴)
بہت دور علوی خبر یہہ ملی
کہ ہر رشتہ قرب تھا واہیات

اے مریض عشق تیرا کیا علاج
موت بھی آتی نہیں جو تھا علاج

چھوڑ دو اب مجکو میرے حال پر
چارہ گر ہے اب یہی اچھا علاج

تندرستی عشق میں ہوتی نہیں
یہہ شکایت ہے سدا سے لاعلاج

سوزش داغ جگر بڑھتی رہی
جبتلک ہمنے کیا اپنا علاج

(۳۵)
وہ طبیب درد دل کا ہے مریض
پھر کرے علوی بھلا کسکا علاج

ازل سے ہی نورالہدیٰ ہے محمدؐ	کہ واللیل والشمس الضحیٰ ہے محمدؐ
وہ ظاہر میں بیشک ہے بندہ خدا کا	حقیقت میں وصف خدا ہے محمد
رکھا نام احمد سے محمود جسنے	وہ ہی جانتا ہے کہ کیا ہے محمد
ظہور نبوت ہے شانِ خدائی	کہ مظہر کی ساری بنا ہے محمد
دوئی میں بصیرت نے وحدت کو دیکھا	تقرب کو سمجھے خدا ہے محمدؐ
سزاوار صلِ علیٰ نور ٹھہرا	ہمارے لئے حق نما ہے محمدؐ
وہ صورت کہ قدسی بھی شیدا ہیں جسپر	زمیں پر عجب دلربا ہے محمدؐ

(۳۶)
عقیدہ ہے علوی سدا سے ہمارا
خدائی سے بیشک جدا ہے محمدؐ

حضرت میاں مذاق بدایونی جو بدایوں میں ایک عارف مشہور تھے اپنے دیوان میں حضور اکرم سرور کائنات کی تعریف اسطرح پر فرماتے ہیں۔ یعنی خدا ہی سراپا گیا ہے محمد خدا ہے خدا ہے محمدؐ ٭ وجودی شہودی میں وحدت میں حیراں۔ ہے اللہ موجود یا ہے محمدؐ۔ غور کرنے سے دماغ میں کوئی ایسی تاویل بھی نہیں پیدا ہوئی جس سے مضمون شعر کو حد شریعت میں داخل کر لیا جائے بجز اسکے کہ عشاق کو شوق جمال یار کی محویت دوسرے خیال کیطرف جانے ہی نہیں دیتی بس ایسے حضرات کے کلام کی حرص کرنا عام لوگوں کو مناسب نہیں ہے بلکہ جہانتک ممکن ہو اپنی حالت کو پیش نظر رکھے یا احاطہ شریعت سے باہر نہو کیونکہ ہر کلام نظم ہو یا نثر ایک ایسی یادگار ہے کہ مرنے کے بعد بھی اسکے شائق فیضیاب ہوتے ہیں ایسی یادگاروں کو جھوٹے مضامین اور بیفائدہ مبالغوں سے منقش نہیں کرنا چاہئے۔

رگ بسمل بہ غلطیدن اثر کرد	فغاں بے اثر با ما چہا کرد
فزوں گردید شوق جانبازاں	جفاے یار ہم کار وفا کرد

تغافل خوں بہاے مدعا شد — چہ شد گر شوق ما روے بیا کرد
نمی بیند ز راہ ناز مارا — زہے قسمت کہ او با من ادا کرد
قباے گل سحر صد چاک دیدم — عدالت در چمن با دصبا کرد
بشاخ گل نوا سنجی ز بلبل — مرا در عشق خوباں مبتلا کرد

(۳۷)
چہ باشد گر رقیب ما بہ بیند
کہ علوی بر در جاناں فنا کرد

عجب داغ جگر دارم کہ ہر دم جسم و جاں سوزد — ز حال ما چہ می پرسی کہ مغز استخواں سوزد
تسلی گر نمی داری بکار عشق مقتول شو — کہ شور ہوے ہستا نہ غم ہر دو جہاں سوزد

(۳۸)
اگر ایماں ہمی خواہی بیا آتش پرستی کن
وجودش در جہاں علوی لباس این و آں سوزد

موج بقا نہیں کبھی بحر فنا سے دور — کرتی نہیں ہے موت کسیکو خدا سے دور
عمرش دراز باد کہ خوئے ستم نہیں — کوئی ادا نہیں تیری خوی وفا سے دور
ہراک صفت ظہور کے پردہ میں ہے نہاں — ہے زینت عروس کہی برگ حنا سے دور
قربت ہو تو تیغ ستم کس گلے پہ ہو — مشکل ہر ایک عشق میں دیکھی بلا سے دور
گیسو دراز ہیں تیری چاہ ذقن تلک — مار سیاہ رہتے ہیں غار حرا سے دور
مرتے نہیں ہیں کشتہ تیغ جفاے یار — ہے دہار اوسکی موج فنا و بقا سے دور
اجزاے منتشر ہیں نقطہ پیچ و تاب میں — لاشہ بھی اوڑ رہا ہے ولیکن ہوا سے دور

(۳۹)
علوی کو ہے مدینہ اقدس بجائے خلد
یارب نہ رکہ اوسے درِ خیرالوریٰ سے دور

طلعت اگر جہاں میں ہیں جانیں بھی صد ہزار — قرباں تجھی پہ کرنے مری جاں بار بار
حیرت نگاہ شوق میں حسرت سے بھر گئی — بسمل نے آنکھ کھول کے دیکھا جو سوے یار

نالہ ادب کی راہ سے مانا کہ دور ہے ہمکو سرود و رقص کی حاجت نہیں رہی		بے صبر اپنے ضبط سے ہے سخت شرمسار بجتا ہے خود رگوں میں ہماری سدا ستار
(۴۰)	یہ ہستی نقاب جمال ثبات ہے غالب کا اوسکی ہستی پہ علوی ہی گرمار	
یہ تو سوچ کر چلے جائیں ہم آگر کیونکر		کچھہ تو پوچھو کہ ہم آئے ترے در پہ کیونکر
یہ تپش دہوپ کی اور حشر کا میداں یارب		دیر تک بار ندامت رہے سر پہ کیونکر
بے ہنر اپنی جہالت سے بہکتے پھرتے		ہے تعجب کہ بہکتے ہیں ہنرور کیونکر
لطف دیگی یہہ تمنا ہمیں محشر میں ضرور		کس اشارہ سے بلا لینگے وہ سرور کیونکر
یہہ تو دیکھا کہ سبھی مرتے ہیں مرنیوالے		سچ بتاؤ کہ جیا کرتے ہیں مضطر کیونکر
نقشبندان حقیقت ہیں تم ساتھہ رکھو		گر ہے دور تو پا لینگے یہہ رہبر کیونکر
حق یہی ہے کہ حقیقت اشیا ہے محیط	ق	روح آجاتی ہے پھر سینہ سے باہر کیونکر
جسم خاکی ہے حجاب رخ مقصود ضرور		فصل ممکن میں ہے وصل مقرر کیونکر
(۴۱)	فکر اشعار عبث کرتے ہو علوی تمسے بات بنتی نہیں بنیاؤ سخنور کیونکر	
حیراں ہوا میں جلوہ گہہ یار دیکھکر		وہ اور ہیں جو محو ہوں دیدار دیکھکر
مشتاق دید یہہ اوٹھے ارنی پکار کر		شب خیز نالہ ہائے شرر بار دیکھکر
مشتاق قتل جاں چراتے نہیں کبھی		آنکھیں جھپکتی ہیں تری تلوار دیکھکر
وا حسرتا کہ دل میں تمنا نہیں رہی		جان دیتے ہم بھی کوئی خریدار دیکھکر
اتنا کیا ذلیل مجھے ہجر یار نے		کرتے ہیں دست عار ہمیں خوار دیکھکر
(۴۲)	منظور ہو تو علوی شوریدہ حال ہی آ بیٹھے در پہ سایہ دیوار دیکھکر	

(۴۲) مری سبقی نشان دیتی ہے زندوں کو فقط اتنا
کہ ہے شبنم کا اک قطرہ کسی خار بیاباں پر

کہتے ہو عبث تم کہ نہاں اور عیاں اور
اتنا ہی صحیح ہے کہ زباں اور بیاں اور

کس گر بہ طلعت کو یہاں دوست بناؤں
ظاہر میں عمل اور ہے اور دل میں ہے گماں اور

ہے تیغ کا کھینچنا تری ابرو کا اشارہ
کیوں رکھتے ہو اپنوں کے لئے تیر و کماں اور

اس چاہ کی کچھ قدر تمہیں چاہئے کرنا
کیا یہ بھی مری جاں ہے کہ مل جائیگی یاں اور

بیچر سوں کی نعز بر میں اک بھول نہ پھینکو
ہمراز کی زد آ رہے ورنہ سنگ گراں اور

سو بار دکھاؤ گے اگر جلوہ نہ یبا
اے یار کہونگا یہی ہر بار کہ ہاں اور

نالوں سے مری شعلہ اجابت کا بھڑکتا
گر نامیں اسپطورتی گر آہ و فغاں اور

(۴۴)
بہہ سچ ہے کہ ہیا غالب نا سخ کی نئی ڈہنگ
علوی ترے نالوں کا ہے انداز فغاں اور

ہدیہ انش سازم بہ شاں دگر
گر بود صد جاں بہ احساں دگر

انچہ دیدم در جہاں از عاشقی
کے بخواہد دید سلطاں دگر

راز او در چشم ما پنہاں نشد
آنکہ دارد بر زباں شان دگر

خود پریشاں شد ز حال ما طبیب
درد دل را بود درماں دگر

جاں اگر خواہد بل ہدیہ نہ بود
عاشقاں را چیست فرماں دگر

گوہر الفت بہ قلب ما نہاد
لعل را شد در زمیں کاں دگر

(۴۵)
وصل خوباں کے شود علوی نصیب
نیست ایں نعمت بہ امکان دگر

تیری الفت سے مسیحا ہر اک آزار ہے دور
یہ تو مشکل ہے کہ تجھ سے ترا بیمار ہے دور

عشق میں در دسی ہو جاتی ہے آساں مشکل
وصل کے شوق سے ہر کلفت دشوار ہے دور

اے صبا یوسف ثانی سے یہ کہدی جا کر
چشم رحمت کا تری ایک خریدار ہے دور

تازہ ہیں شوخ چشمی سے داغ کہن ہنوز
سرسبز ہے خزاں میں یہ صحن چمن ہنوز

تا حشر سوز ہجر کی حدت نجائے گی
بیٹھے نہ میری نعش پہ زاغ و زغن ہنوز

آنکھیں کھلی ہوئی ہیں کسی انتظار میں
منڈلا رہے ہیں نعش پہ زاغ و زغن ہنوز

کیا آتش فراق میں ہے بدن کا اثر
باقی ہیں اپنی قبر میں تار کفن ہنوز

مجنوں ترے نہونے سے اُجڑی نہیں دیار
آباد ہیں جہاں میں ویسے ہی بن ہنوز

لیلی تیری نگاہ کا جلوہ ہے چار سو
قرباں ہیں شوق دید میں سو جان و تن ہنوز

انسان ہے خود حقیقت انساں سے بیخبر
اتنا چھپا ہوا ہے یہ راز کہن ہنوز

خنجر تو دیر تک وہ چلاتے رہے مگر
ٹپکا نہ میرے سینہ پہ آب ذقن ہنوز

غارت ہوئی کہ شاخوں سے سب پھول گر گئے
خالی ہے بلبلوں سے یہ سارا چمن ہنوز

کیونکر چھپے گا حشر میں یہ ظلم یار کا
خوں سے شہید ناز کا زیب کفن ہنوز

ہے رسم جور و ظلم محبت کی راہ میں
معشوق سیکھتے ہیں یہی پہلے فن ہنوز

ای شوق اب اسکو کہیں گر دراہ کر
باقی ہے اپنی قبر میں کچھ خاک تن ہنوز

مرکر بھی خوئے صبر و تحمل نہیں گئی
دل میں بنا ہے محمل رنج و محن ہنوز

عشق بتاں میں اپنی کٹی ہے تمام عمر
دیکھے نہیں تمہارے سے سیمیں بدن ہنوز

(۵۲)	کہتے ہیں آپ دور سے علوی کہ ہے مزار باقی ہے اب بھی خاک میں کچھ ما و من ہنوز	

قیامت میں ہوگا نہ افشا، راز
کرے گا رہے وہ شہ بے نیاز

صدا کو رسائی ہوئی عرش پر
کیا آہ نے اسطرح سرفراز

(۵۳)	پریشان خاطر ہے علوی غریب کہ محمود مدنی ہے ہندی ایاز	

زمانہ کی حالت سے ہے یہ ہراس
نہیں تیرے ملنے کی اب ہمکو آس

کریں شکر کیا تیری اے دلربا ۔ بھلا کیا ہے ہم ناتوانوں کے پاس
ستانا نہیں کوئی دل میں مرے ۔ یہہ آباد منزل ہے بالکل اداس
کروں کس سے کیا درد دل کی خبر ۔ نہیں اب بجا میرے ہوش و حواس
صلہ پاس کا صبر مضطر نہ تھا ۔ نہیں دل ہی پہلو میں کچھہ حق شناس
ترحم وہ کرنے میں مجبور سدا ۔ حوادث زمانہ کے ہیں ہمکو راس

(۵۴)
وہ اپنا سمجھکر ملا لیتے علوی
یہی مرتے مرتے رہی دل میں یاس

کلیجہ جدائی سے ہے پاش پاش ۔ کہ ہر سانس فرقت میں ہے دلخراش
بہت خوب ہمکو نہ ملوا اے ۔ رکھا دینگے در پر ترے اپنی لاش
حقیقت میں اپنی کوئی اور پا ۔ ذرا دیکھئے یہہ ہماری تلاش
کریں نذر کیا اشک حسرت تری ۔ کہ پلتے نہیں دل کی اب کوئی قاش
جدائی میں کیونکر ہو راحت نصیب ۔ کلیجہ میں ہے درد کی بود و باش
بہت دن تو الفت کو مخفی رکھا ۔ ہوا چاہتا ہے ترا راز فاش

(۵۵)
پئے عظمت حسن لازم ہے علوی
ہمیں تیغ اور شمع کو گل تراش

اجل ہے ہمارے لئے پردہ پوش ۔ بہت دن سے ہستی ہوئی بار دوش
ضعیفی میں سب زور جاتا رہا ۔ نہ نالوں میں پہلا رہا اب خروش
نشاط جوانی نے مسرور رکھا ۔ مے بیخودی پی کے آیا نہ ہوش

(۵۶)
مگر اب پس و پیش علوی یہاں
مے عشق از دست ساقی بنوش

دیا پھینک خط کو مرا نام پڑھکر ۔ ادب سے زہے نامہ بر بھی خموش

گلستاں میں آ، ہے کس سروقد کی
کہ ہیں آج برگ شجر بھی خموش

نہ اوٹھینگے نالوں سے طوفان کیا کیا
رہینگے نہ اب چشمِ تر بھی خموش

تحیر میں کیا حسن مقصود ہے
کہ رہتے ہیں دیوار و در بھی خموش

تجسس میں ہیں ذات کے بیخبر
یہاں پر ہیں سب باخبر بھی خموش

(۵۷)
ذرا صبر کر تو بھی علوی یہاں
فلک پر ہیں شمس و قمر بھی خموش

نہیں وہ مے کہ اب لوں ساقیا قرض
نہیں وہ میں کہ سب کر دوں ادا قرض

تہی دستی سے ہوں مجبور اتنا
کہ مانگوں ایک بوسہ دلربا قرض

متاعِ جاں جہاں کھوئی گئی ہے
اوسی عطار سے لونگا دوا قرض

مصیبت بھی محبت کا صلہ ہے
لیا دل نے ہی خود وحشت بلا قرض

لٹا کے اپنی ہستی خوب سوچے
کہیں سے لائے قیس کیسی عبا قرض

ترا تشنہ ابھی پیاسا ہے ساقی
بہت پی اوسنے ابتک جا بجا قرض

کہا ہمنے کہ اک بوسہ ہی دیدو
کہا ہرگز نہیں مجھپہ ترا قرض

ابھی تک سوزِ الفت کی جلن ہے
بھلا کیا استخواں لیتا ہما قرض

دلِ مضطر کو ہم بے سود دیتے
اگر لیتا اسے جادو ادا قرض

(۵۸)
سفر ہے دور کا علوی تمہارا
کہیں سے تمنے کچھ توشہ لیا قرض

کون کہتا ہے کہ پیمان تہا غلط
میں تو یہہ سمجھا کہ ارماں تہا غلط

بادشاہوں کی حضوری ہے محال
دلکو شوق بارِ احساں تھا غلط

ہر تمنا سے ہی کچھ تسکین تھی
جوشِ حرماں ندر امکان تھا غلط

نا امیدی پہل ہے خود دلہوار کا
نیم بسمل شوق پیکاں تھا غلط

ہمزہ توبہ جوانی اب ہوئی | پہلے اس سے شغل طفلاں تھا غلط

(۵۹) درد دل سے سب کو علوی چین ہے
مضطرب فرقت میں درماں تھا غلط

الوداع اے ماہ رمضاں الوداع	الوداع اے نور ایماں الوداع
الوداع اے ماہتاباں الوداع	الوداع اے شمس دوراں الوداع
الوداع اے راز پنہاں الوداع	الوداع اے مرسجاں الوداع
اے شمیم بزم سلطاں الوداع	اے نسیم باغ رضواں الوداع
الوداع اے آرزوئے اتقا	الوداع اے یار اساں الوداع
الوداع اے افتخار خاکیاں	اے بہلے حور و غلماں الوداع
الوداع اے بلبل باغ رضا	نونہال باغ رضواں الوداع
الوداع اے برکت شام و سحر	الوداع بہلے رمضاں الوداع
ہر بلا سے آسمانی را علاج	اے دوائے درد پنہاں الوداع
مغفرت را سوئے ما آوردہ بود	اے بری تو بار عصیاں الوداع
مرحبا اے ماہ رمضاں مرحبا	الوداع اے ماہ رمضاں الوداع
السلام اے ماہ رمضاں السلام	الوداع اے ماہ رمضاں الوداع

(۶۰) تابہ سلام از علوی مدح سرا
می روی اے ماہ رمضاں الوداع

بزم میں ہر رات گریاں تھی شمع	سوز پروانے سے بریاں تھی شمع
ہے یہ عشق حسن کا اک ماجرا	جل گئے شیدا تو بیجاں تھی شمع
جھکیے جب عزیزوں کو نکلے رات کو	میرے گھر تک زیر داماں تھی شمع
کچھ چمک اوٹھا دل اہوں میں	کیا اسی خلوت میں پنہاں تھی شمع

(۶۱) ضبط سے علوی کے حیراں تھا فغاں
آہ سے ہر روز نالاں تھی شمع

دلپہ کیسے کیسے اپنے آئے داغ ہے بہت نازک الٰہی جائے داغ
قدر گل کیا پھر بھی کچھ باقی رہی خوں چھلک آیا اگر بالائے داغ
خون مرا ہر دم رہا سر پر سوار دامن قاتل میں گر لگ جائے داغ
عکس داغ دل کہاں جا کر پڑا ہو گیا اب ماہ بھی شیدائے داغ

(۶۲) عشق کی اک مہر علوی جا ہے
خوب سمجھو میں یہی معنائے داغ

حاجتیں سب کھینچتی ہیں دو ساماں کیطرف کوئی دل کھنچتا نہیں افسوس احساں کیطرف
شاہ عالم آپ ہی ای دل جا لینگے کبھی کیوں چلا جاتا ہے مضطر اہل ساماں کیطرف
پھر نسیم عشق کا دل میں گذر ہونے لگا ہاتھ پھر جانے لگا جیب و گریباں کیطرف
حسرت و حرماں تو ہر دم آرزو کے ساتھ ہیں نا بہا ہے بے سبب ہیں چشم گریاں کیطرف

(۶۳) جیتے جی نکلا نہ علوی کوچہ دشوار سے
عمر بھر جاتا کہ جائے سہل و آساں کیطرف

شوق حسن خوبرویاں ہے پشیماں ہرطرف دیکھتی ہے کیا الٰہی چشم حیراں ہرطرف
عشق ساماں سوزی کی دل میں کس کس کے جگہہ منتظر کی آنکھ میں ہے جوش طوفاں ہرطرف
جنت الفردوس ہے یا منزل محمود ہے کوچہ یثرب میں ہے اک باغ رضواں ہرطرف
مہر ہے فرماں قدرت میں اوسکے نام کی جسکے عاشق پھرتے ہیں با چشم گریاں ہرطرف

(۶۴) سبز ہے اوراک قدرت سے یہ علوی یہ زمیں
ہر بلا اک امر کی ہے پا بہ جولاں ہرطرف

شوق محسن ہجر میں رہنے لگا خنجر بکف آرزو سے قتل پہلو میں رواں ہو سر بکف

داغ حسرت سے کبھی دل تیرہ ہمارا نقش ہیں
آ گئے آؤ ابر رحمت کی دعائیں مانگ لیں

قتل کا رکھتے ہیں اپنے آپ ہم محضر بکف
معصیت کا جو لئے پھرتے ہیں اک دفتر بکف

(۶۵)

اُسکے میخانہ میں علوی جا رہا ہے شوق میں
ہاتھ میں رکھتا ہے ساقی رات دن ساغر بکف

میرے رونے سے تمکو خبر نہوئی کہ اس آنسو سے مجکو ہوا تھا قلق
میرے جانے سے سب کو یہ کیوں ہی الم مجھے اشک بیکار رہا تھا قلق

تیرے شکر کو منہ کو زباں نہ ملی تیرے عشق کو پہلو میں دل نہ ملا
مجھے جینے جی بہت رہا ہے الم مجھے مرتے مرنے پہ تھا قلق

ترے وصل کی صبح تو دیکھی نہیں مجھے شوق نے خوب مزہ میں رکھا
کبھی دل سے اپنے جدا نکیا تیرے ہجر میں ہوش رہا تھا قلق

مجھے بلبل شیدا عبث ہے الم تیرے شوق کو گل ہیں ہزار کھلے
میں تو ایک شمع پہ شیدا رہوں مری جاں کو یہ ایک سدا تھا قلق

اسی فکر میں در پہ پڑا ہوں تیرے اسی شوق میں جینے سے تنگ ہوں میں
کبھی بھولے سے کہدو گے جاں جہاں مرے عشق میں تجھکو بھی کیا تھا قلق

اوسے ہجر میں میرا خیال بھی تھا مرے رنج کا اوسکو ملال بھی تھا
مجھے مرنے کے بعد یہ ملا کہ شب وصل سے پیش بجا تھا قلق

کہوں کس سے یہ علوی مصیبتیں میرے نفس نے مجکو خراب کیا
میں اوٹھاتا ہوں روز نیا ضرر مجھے ہجر میں روز نیا تھا قلق

(۶۶)

قدسیوں پر حکمراں تھا حضرت سلطان عشق
شوق کی تاثیر سے مطلوب طالب ہوگیا
راز کثرت تیرہ بھی کھلجائے گا اے زاہد

تھا تجلی بخش خلوت میں بھی اک فرمان عشق
جب کسی پر ہوگیا اک بار بھی احسان عشق
بادہ خواروں سے پڑھو گر مطلع دیوان عشق

حسرتِ حرماں کا حاصل تمنائے شوق تھا | جسنے دیکھا آزما کر ہجر میں ارمانِ عشق

سوزِ دل ہے حرمتِ فرقت ازل سے ناصحا
شوق ہے دنیا میں علوی بالیقیں ایمانِ عشق (۶۷)

یارب کبھی فلک کے نہ صدمہ اٹھائے دل | کھوئی ہوئی امید دوبارہ نہ پائے دل
میری طرح کسیکو نہ گریہ نصیب ہو | بھولے سے گر کوئی کہیں جاکر لگائے دل
کثرت میں سونظیر ہیں ایک بینظیر کی | کس کسکے جور و ظلم سے آنکھیں چرائے دل
قسمت میں گر لکھا ہے تو دیکھنگے کوئی یار | یہی عمل ہے ہجر میں وحشت رہائے دل
باعث حجاب کیا ہے الٰہی کہ میرا دل | کہتا ہے اے شوق میں کہتا ہوں ہائے دل
عقل و حواس فہم و ذکا سب ہیں منتظر | کس کسکو اپنی گذری کہانی سنائے دل
سینے میں اس امید پہ در پر مریں ترے | مدت سے شوقِ وصل میں یہی دہائے دل
حسرت نے دور دور رکھا ہے امید سے | نالہ وہ ہو نصیب کہ سن لو صدائے دل

علوی نے تاک رکھا ہے در کو جناب کے
فرمائے حرم میں وہ کیونکر لگائے دل (۶۸)

نہو کس بھروسہ پہ وہ منفعل | کہ تعبیر میں جسکی ہو آب و گل
میں رونے سے اپنے پریشاں ہو | کہ لخت جگر بہ گئے متصل
بھلا کس تمنا میں آرام ہو | نہو جسکے قابو میں مدت سے دل
حجاب اپنے شیدا سے ہی کسلئے | بلا مجکو تو یا تو ہی آ کے مل

نہ رکھ دور علوی کو بہر خدا
بہت دن سے بیچارہ ہے منفعل (۶۹)

رات کم اور ہجر کا افسانہ طول | وصل کی ہی شب نہو جاے فضول
دل کچھ ایسا گیا ماتم کدہ | ہے ہر اک امید میں حسرت شمول

باور کہنا اب نہ زندہ آئینگے | گر چلے کوچے سے نبی کے پھر ملول
مغفرت ہاتھوں میں اپنے آ گئی | دوست جیسے ہو گئے آل رسول
تھا نا محرم نہیں حسرت کا ساتھ | پھر دل ناکام کیوں کرتا قبول
کیا یہہ ممکن ہے کہ حادث ہو قدیم | مادہ کی اصل کیا سمجھے جہول
مصلح افعال کب ہو مادہ | منتجی ہو کون اور ہو کیا حصول
ابتدا ہے ہر عدد کی ایک سے | ایک ہی قدرت کو کر منکر قبول
بندہ پرور بندگی ہو کس لئے | ہو اگر نور مجرد کا حلول
امتحان قول ہو کیوں بار بار | دور ارواح مقید ہے فضول
خاک پر شیدا ہے ذرہ کی چمک | فیض قدرت کا ہے ہر شی پر نزول

(۷۰) کاش ہو علوی بھی اونکے ساتھ ساتھ
جب ندا ہو حشر میں آئیں بتول

خبیثات کے وجود کے ثابت ہونے سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان میں ایک اور قوت ہے جسکو روح کہنا چاہئے کیونکہ ہمنے ایک خبیث سے جبکہ وہ ایک عورت کے جسم میں حلول کئے ہوئے تھا خود گفتگو کی اوسکی باتوں سے ظاہر ہوا کہ اوسکا جسم ہوائی مثل جسم خاکی کے اوسکے ادراک نہیں ہے اور اوسکو کسی دوسری ذی روح کے جسم میں داخل ہونے کی قوت اور متصرف ہو جانے کا ملکہ حاصل ہے خبیثات اکثر بچوں یا عورتوں کے جسم میں حلول کرتے ہیں اور چونکہ اونکی روح بکدر جسم خاکی یا قدرتی ضعف نزاکت کیوجہ سے کمزور ہے انکی روح آزاد اونہیں پر بآسانی غالب آجاتی ہے اور اتنا تصرف ہو جاتا ہے کہ ناخواندہ عورتیں عربی اور انگریزی پڑہنے لگتی ہیں بلکہ خبیث اپنی خباثت میں اگر لکنت سے کہتا تھا تو میں اوس عورت کو جسپر وہ متصرف تہا ہکلاتے دیکھا ہے ہمسے ایک خبیث نے اپنے حیات کا نام اور مرنے کی کیفیت بھی ظاہر کی وہ حشر

کے ساتھ یہہ کہتا تھا کہ میں وکالت پیشہ فلاں شخص ہوں ٹم ٹم سے گر کر فوت ہوگیا اور جب سے
میرے جسم کو دفن کردیا میں مارا مارا پھرتا ہوں بہت سی روحیں اسی قسم کی میری ساتھ ہیں
اور ہمیشہ آوارگی میں رہتی ہیں مقدس کلام کے سننے سے تکلیف ہوتی ہے اور دنیوی
لذتوں کی خواہش کبھی کم نہیں ہوتی گذشتہ حالات سب یاد ہیں یہہ نہیں معلوم کہ کیا نتیجہ
ہوگا مگر جو روحیں دانشمند ہیں وہ یہہ سمجھتی ہیں کہ یہ آوارگی ہمارے افعال بد کا نتیجہ ہے اور
ہم ایک خراب حالت میں ہیں ذی روح کے جسم میں حلول کرنے سے ایک قسم کا لطف
حاصل ہوتا ہے اور خوشبو۔ ہلکا خون۔ حسین آدمی اچھا معلوم ہوتا ہے زندوں کی باتیں سمجھ میں
آتی ہیں مردوں کی روح کا پتہ نہیں ہے کہ وہ کہاں ہیں دوست دشمن جو جنات ہیں ساتھ ہیں انکو شناخت
کرنے میں کوئی خاص لذت یا اثر عداوت ظاہر نہیں ہوتا جس جسم میں ہماری روح نفوذ کرتی ہے اوسکا کھانا پینا
ہماری روح میں موثر ہوتا ہے اونکے جسم کا ضرر بھی کچھہ تکلیف دیتا ہے ہمنے اپنے جسم کو قبر میں خاک ہوتے ہی
دیکھا ہے اس سے زیادہ کوئی بات ظاہر نہیں ہوئی مگر اسی بیان سے ثابت ہوگیا کہ مثل جسم خاکی کی ایک صورت لطیف بھی
متصرف ہے اور یہی صورت جسم خاکی کے ذریعہ سے محسوسات دنیوی سے تعلق
قایم رکھتی ہے اور ضرور اسکی ایسی قوتیں بھی معاون ہیں کہ امتیاز نیک و بد کی حد حس سے
باہر نہیں ہے کوئی شخص یہہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ روح کسی اور روح لطیف تر کا مرکب نہیں
ہے اور حالت انسانی اسی روح پر ختم ہے بلکہ غالبًا یہ وہ روح ہے یا کوئی ایسی
قوت ہے جسکو نفسانی خواہشوں سے زیادہ تعلق ہے اور وہ روح یا فیض قدرت
جو جسم خاکی اور دیگر قوائے روحانی موجودہ جسم پر حاکم اور متصرف ہے کوئی اور
شے ہے کیونکہ روح نفسانی اور جسم کا تعلق بدون کسی دوسری قوت کے قایم رہنا
ناممکن ہے۔

مجھسے میرے ایک دوست حافظ قرآن صوم وصلوۃ کے پابند نے ذکر کیا کہ اونسے
شاہ جنات سے ایک وقت ملاقات ہوا کرتی تھی اونہیں کا مقولہ ہے کہ ایک دفعہ شاہ جن نے

اپنی قوم کا ذکر اس طرح پر کیا کہ ہماری قوم انسان کو نہایت حقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہے
اسوجہ سے انکی طرف التفات نہیں ہوا کرتا اور جب کبھی کوئی جن خبا ثنا کسی آدمی پر غصہ
کی نظر ڈالدیتا ہے تو اوسکی حدت انسان میں طرح طرح کے امراض پیدا کردیتی ہے آنکھیں
آشوب کرجاتی ہیں بخار ہو جاتا ہے لیکن اونپر جو حکومت متصرف ہے انسبی بیجا شرارتوں سے
ضرورت کے لایق باز رکھتی ہے ہمکو ہر قسم کے قالب کے تبدیل کرنیکی قوت حاصل ہے
ہم سیکڑوں فرسنگ کی مسافت تھوڑی مدت میں طے کرلیتے ہیں ہوا کی طرح ہر چھوٹے سے
مقام میں نفوذ کر جاتے ہیں مرنے کے بعد جنازہ نہیں نکلتا بلکہ جسم میں جب روح نہیں رہتی
تو قالب خود بخود دہواں سا بنکر اوڑ جاتا ہے خبیثات ہماری جنس سے علیحدہ ہیں گروہ
ہمارے اختیار سے باہر نہیں ہیں وہ انسانی روح سے نہیں ہیں مگر روح انسانی سے
اونکا ایک تعلق پایا جاتا ہے اوسکی مثال اسیقدر ہوسکتی ہے کہ جیسے جسم کا مسل جسم میں نہیں ہے
مگر وہ کسی جسم سے پیدا ہوا ہے۔

تجربہ ثابت کر رہا ہے کہ ہر شے ذی روح ہے یعنی جس شے کا بظاہر کوئی وجود قایم
ہے یا محسوسات میں داخل ہے اوسکی ہستی کا کوئی خاص سبب یا چند ایسے اسباب ہیں
جنکا وجود قایل حس ہے مثلاً شمع کسی شعلہ کو نہیں کہہ سکتے اوس بتی کو کہینگے جو روشنی
کے واسطے جلائی جاتی ہے خواہ وہ مومی ہو یا کافوری یا محض روی اور تیل سے
اوسکو تیار کیا گیا ہو لیکن جبتک اوسکو بھی روشن نکیا جائیگا کسی نوبت پر شمع نکہینگے
معلوم ہوا مختلف اسباب سے ایک شے کا وجود قایم کیا گیا لیکن آتش اسکی روح
قرار دیگی جسکا انجام اسباب پر منحصر ہے بتی گل ہو جاتی ہے لیکن آگ کا شعلہ جو حکمت عملی سے
دوسرے اجزاء میں اپنی صنعت دکہا رہا تھا اسباب معادم ہو جانے سے اپنے
مرکز میں ملگیا اگر یہ سچ ہے کہ دنیا میں کوئی شے تنا ثیر واحد موجود نہیں ہے بلکہ خشک و تر
یا گرم و سرد تاثیروں کی آمیزش اسنے ایک ہیئت کو قایم کر رکھا ہے اور ضرور ان تمام

چیزوں میں کوئی ایسا فیض بھی شامل ہے جو اس انصال اور ترکیب کا باعث ہو رہا ہے اور وہی اشیاء عالم کے لئے ایک روح ہے۔

دنیا میں ہر چیز کے اندر ایک خاصیت ہے بعض ایسے ہیں کہ اونکا اثر کھانے سے ہوتا ہے۔ بعض ایسی ہیں کہ سونگھنے سے دیکھنے سے تاثیر ہو جاتی ہے بعض کی تاثیر مس ہونے سے ہوا کرتی ہے یہی تاثیرات اونکی روح ہیں کیونکہ اگر اون میں کچھہ نہیں ہے تو یہہ سب کچھہ کیونکر ہوا کرتا ہے مقناطیس لوہے کو کھینچ لیتا ہے کہرباخس و خاشاک اوٹھا لیتا ہے اکثر پتھروں کی تاثیر بُری یا بھلی ہاتھ میں رہنے سے پیدا ہو جاتی ہے اسی خیال سے بشب زفیروزہ استعمال کیا جاتا ہے اسی بنیاد پر دانشمند سنگ اسود میں جو حرم محترم میں نصب ہے جذب محبت کی تاثیر کا یقین کئے ہوئے ہیں۔

انسان بھی مثل دیگر اشیاء یا مخلوق حیوانی کی ذی روح ہے مگر تفاوت مراتب سے ہر شے ایک دوسرے لباس میں جلوہ افروز ہے اسکی دماغی ترتیب اسکا نمو ضرور کسی قدرت کی نصرت سے ماننا پڑے گا کیونکہ ایک قطرہ آب سے اسقدر طویل لقامت ہو جانا اتفاقی یا ناگہانی امورات یا رواجی معاملات نہیں ہیں جبکہ ہم دیکھتے ہیں مختلف اشکال اور متضاد مزاجوں سے زمین آباد ہے کچھہ یہی نہیں ہے کہ ایک دوسری صورت سے مشابہ نہیں ہے بلکہ ہر شخص کی طبیعت کا رنگ دوسرا ہے ہر شخص کے خیالات میں بھی مساوات نہیں ہے اسکی قوت امتیازی اسکے افعال تمام مخلوقات سے جداگانہ ہیں پھر کس دلیل سے اسکی پیدایش مثل نباتات کے مادوں کا اثر تسلیم ہو سکتا ہے۔

امر مسلمہ یہہ ضرور ہے کہ نباتات یا بعض حیوانات مادہ موجودہ کی تاثیر سے پیدا ہوتے ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ گھاس جس زمین میں جس رنگ اور کیفیت کے ساتھہ نکلا کرتی ہے وہ گھاس دوبارہ پانی کے اثر سے پھر اوسی صورت پر پیدا ہو جاتی ہے جس سے یقین ہوتا ہے کہ وہ مادہ بالکل فنا نہیں ہوا بلکہ حرارت آفتاب سے اوسکی قوت کم ہو گئی

چونکہ پانی سے اوس قوت کو پورا کر دیا اسوجہ سے وہ اپنی کیفیت اصلی پر آگئی اسیطرح مینڈک کو ہر برسات میں ایک ہی صورت کا دیکھتے ہیں یا بعض پرندجانور جو مادوں سے پیدا ہو جاتے ہیں ایکہی وضع پر ظاہر ہوتے رہتے ہیں بلکہ کلیہ یہہ فرض کر لینا چاہئے کہ جو ذی روح نر و مادہ ہم صحبت نہیں ہوتے وہ سب مادوں سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور جنکی جفتی ہوتی ہے وہ اس اصول سے جدا ہیں برخلاف اسکے آدمی فنا ہوکر پھر اپنی صورت پر کبھی پیدا نہیں ہوتا اور حیات میں دو بھائیوں کی بابت بھی ایسی مثال دینا مشکل ہے کہ وہ باہم ہر وضع پر مساوات کا درجہ رکھتے ہیں اس سے یہہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ ہر قطرہ کسی بڑی قدرت کے اختیار میں ہے اور تمام عالم پر ایک ہی قدرت متصرف ہے

رہا دور گردوں میں ناقص کمال — کہ ہر شے کو لازم ہوا ہے زوال
ترے رخ پہ ہیں چاند عیدین کے — فلک پر نکلتا ہے ایک ہی ہلال
مرے شوق نے کچھ رسائی نہ کی — یہی ابتو مدت سے ہے انفعال
لئے پھرتے ہیں حضرت خضر جسکو — وہی زندگی عشق میں ہے وبال
ارادہ مشیت سے مجبور ہے — دربار تک ہے نہ جانا محال
ترے در پہ مرجائیں ای مہ جبیں — یہی آرزو ہے یہی ہے خیال

غلامی میں جلدی سے بلوائیے
کہ جیتا ہے علوی تجھ سے بلال

(۷۱)

اولیا نے تجھے کہا مخدوم — عرش سے نکلے یہ صدا مخدوم
ہے ملایک کی یہہ صدا مخدوم — ہم جو کہتے ہیں بر ملا مخدوم
ہاں امیر و وزیر سلطان تک — تیرے در کے ہیں بینوا مخدوم
تیری عظمت کو کوئی کیا جانے — قدسیوں میں بھی تو رہا مخدوم
میں بھی حاضر ہوں اوسکی خدمت میں — ایک عالم کا جو بنا مخدوم

جسنے در پر سر نیاز رکھا
تجھسے جتنک کوئی بعید رہا
صحن کعبہ کے ذرہ ذرہ میں
محرم راز کیوں نہو جائیں
جشم الطاف از برائے خدا

مرحبا مرحبا کہا مخدوم
فضل حق سے وہ دور تھا مخدوم
نور وحدت کی ہے ضیا مخدوم
آئے جو در پہ بے ریا مخدوم
بر نگن بر نگن بسا مخدوم

(۷۲)
ناز کرتا ہے آج علوی بھی
اوسنے پایا ہے حق نما مخدوم

آنسے بھی الم نہیں کبھی اٹھ میری خواب
زینت سے اہل حرص کی خیرہ ہوئی نظر
ہوتی جو کوئی چیز تو ہم گانٹھ باندھتے
انکار کوہ طور کا ہے ناز کی دلیل
ساقی ترے سوا نہیں واقف کسی سے ہم
پوچھیں گے قبر میں بھی تو الفت کا ماجرا
کثرت میں ایک نسبت اعلیٰ ہے دور کی
شوخی سے وہ اوٹھاتے ہیں چلمن کو بار بار

یہ معجزہ عجیب ہے بیننگ حجاب میں
دیکھا بچشم غور تو موجیں تھیں آب میں
رکھا ہے کیا بھلا سر و دور حباب میں
شعلہ بھڑک رہا ہے ہزاروں حجاب میں
وحدت بھری ہوئی ہے تمہاری شراب میں
تقریر کیا بڑھیگی سوال وجواب میں
ذرہ میں وہ چمک ہے جو ہے آفتاب میں
ہمکو ملے ہیں لطف ہزاروں عتاب میں

(۷۳)
وہ آکے پھر گئے نہیں علوی خبر بھی ہے
کیا جانے کیا خطا ہوئی اونکی جناب میں

دیکھا ہے آج دیدہ حق بیں نے خواب میں
شوق زیارت ساز تحمل سے درگذر
اس ابتدا امر و نہی کی ضرور کیا
نازو ادا زشیوہ انسان کیوں نہو

جلوہ تمہارے حسن کا سار نقاب میں
رکھا ہے کیا جناب ثواب وعذاب میں
حرمت ہے ایک حکم کی پنہاں شراب میں
صنعت ہے بے نیاز کی کیسی حجاب میں

(۷۴)

پی کر تو دیکھ تو کسی ساقی کے ہاتھ سے
حق سے رہے ہو دور تم علوی حجاب میں

الٰہی خیر وہ گیسو فگن کیوں بنکے بیٹھے ہیں ... پھبکی آج گبڑی ہی کہ وہ کیوں بنکے بیٹھے ہیں
موذن ہیں تعاشق کو یہ سر پہ لیکے اُٹھو نگا ... اذاں کچھ شہر کر دینا اپنی وہ من کے بیٹھے ہیں
ملایا خاک میں جس طرز افسوں ساز نے ہمکو ... اوسی جنوں کا اب آگئے مری مدفن کی بیٹھے ہیں
مرے نالہ شرر افگن کبھی پھر رنگ لائینگے ... بھبوکا بنکے اوٹھینگے ہو لا بنکے بیٹھے ہیں
کسی آشفتہ خاطر کو عبث ہے شوق نظارہ ... جو محو خود نمائی ہیں وہی اب تنکے بیٹھے ہیں

(۷۵)

طپش سوز دروں سے آنکھ میں آنسو نہیں آتا
ہم علوی جیٹھ میں اب منتظر ساون کے بیٹھے ہیں

حبیب دل آرام سب چاہتے ہیں ... مگر تم کو ہم بے سبب چاہتے ہیں
مرے داغ رنج و تعب چاہتے ہیں ... یہ بخت کیا کیا عجب چاہتے ہیں
فلک سے نہ عیش و طرب چاہتے ہیں ... خوشی کا کبھی کچھ سبب چاہتے ہیں
ضرورت شرح کی نہیں نامہ بر ... جو چاہا تھا پہلے وہ اب چاہتے ہیں
ہجوم تمنا کہیں اور ہو گا ... یہاں ہم فقط فضل رب چاہتے ہیں
صدا کشتۂ ناز دیتے ہیں ہر دم ... کہ کچھ اور ہی جاں طلب چاہتے ہیں
گنہگار ہے قدرت ضبط کسکی ... خموشی سے نالہ ادب چاہتے ہیں
ہوئے تنگ اب ایسے شام و سحر کے ... کہ دن چاہتے ہیں نہ شب چاہتے ہیں

(۷۶)

ہم عاشق ہیں علوی نرالے جہاں میں
کہ معشوق بھی منتخب چاہتے ہیں

جو لوٹیں عشق کی کبھی دیکھا ضرر نہیں ... شمس و قمر سے کم مرے داغ جگر نہیں
ہر شے یہاں کی علم میں بہر گذاشت ہے ... انسان کے مزاج میں کیوں درگذر نہیں

اک شوق قدر خویش نے محرم نہیں کیا — نخوت کا یہ اثر ہے کہ اپنی خبر نہیں
تھا یا د ایک صیغہ ا مد و خفتن ہمیں — اور مر لے دم کچھ ہاتھ میں بہر سفر نہیں
ہے تیغ دست نفس میں ہر دم کھلی ہوئی — یاں خانہ میں کسی کے بھی ڈوئی سپر نہیں
جب سے اسیر گیسوے مولا علی ہوئے — ایسی پناہ میں ہیں کہ شیروں کا ڈر نہیں
لکھتے غزل میں ہم تری نازک کمر کا حال — بند قلم کو ہاتھ میں کوئی تار نظر نہیں

(۷۷)

کیا جانے ہے کہاں کی بختی خراب ہائے
علوی کا ہند میں کسی بستی میں گھر نہیں

جیسے صدا نہ رہی آہ زار میں — تکلیف بڑھ گئی مجھے ہر دم قرار میں
ا چھا ہو گیا نہ ہی حیرت کا یہ صلہ — زینت ہے سروں کی گر نقش ورا میں
سر کی تغیر تقدیر کیا کرے — گردش سے کچھ مفر نہیں لیس و نہار میں
عظمت کچھ اور بھی ابھی ہانگے گور میں — ذرہ بھی سربلند ہوئے ہیں غبار میں
صیاد شاخ گل پہ نہ پھندا لگا ابھی — ظالم پھنسیں گے کب ہی فصل بہار میں
دل کے شرر ہے نفس کسی نالے سے بجھ گئے — ترکی شکست کھا گئی اب جنگ تار میں

(۷۸)

کم مائیگی نہ رکھ کہیں علوی کو سرنگوں
ذرہ بھی اوڑتے پھرتے ہیں اکثر غبار میں

بہار خلد مضمر ہے فضائے کوئے جاناں میں — ملیگا اس سے کیا اچھا ہمیں گلزار رضواں میں
چھپا ہے جلوہ وحدت بہار زلف جاناں میں — یہی ظلمت تو پنہاں کی خدا نے آب حیواں میں
ابھی کس کس ہی قد کی چمن میں آمد آمد ہے — کھڑے ہیں سرو کتنے منتظر صحن گلستاں میں
دل مجروح حلقہ ہے ہلالے کوئے احمد کا — خیال یوسف مصری ہوا پابند زنداں میں
شرر داغوں سے حیرت میں ملا رو بنکلے ونے میں — لگی ہے آگ مدت سے عجب کان بدخشاں میں
دل آزردہ خاطر میں کوئی اچھی ہی صورت ہے — چھپا ہے یوسف ثانی ہمارے چاہ کنعاں میں

ظ
زار نام شاہ روس
ہے اور نقطہ زار
سے ایک بڑی نعمت
دیکھا ہے ترکی سے
مراد شہر سوز دل
سے ہے ۱۳۰۱۲۶

شہید ناز کا محشر میں آخر خوں بہا کیا ہو
موتے ہیں ڈوب کر کشتی تری چاہ زنخداں میں

تلاطم مچ رہا ہے فتنہ ہے مجکو جوش طوفاں کا
سمندر یاس کا بہتا ہے ہر دم چشم گریاں میں

سنقش عشق کا شکوہ جو ہے سیپارۂ دل میں
شرح تم اسکی دیکھو گے کہیں تفسیر قرآں میں

(۷۹)
دکھانا ہے نہیں منظور کسکو حال دل علوی
کہ آئے لخت دل بہکر تمہاری نوک مژگاں میں

پہلے پھل کھاتا ہے قاتل قبضۂ تلوار میں
پھول پھر آتے ہیں پیہم شاخ نخل دار میں

عمر بھر تو دور رکھا بدنصیبی نے مجھے
پھینکدو اس لاش کو اب کوچۂ دلدار میں

اب بھی آجاؤ اے مسیحا مر گئے تو کیا ہوا
ہمنے آنکھیں کھولدی ہیں حسرت دیدار میں

بند کیوں کرتے ہو آنکھیں اے عزیزو بعد مرگ
کھل رہی ہیں دیر سے یہ انتظار یار میں

پای بوسی یار کی منظور ہے ہر رنگ میں
سر کے بل پھرتے ہیں شیدا کوچۂ اغیار میں

نیم بسمل دیکھتا ہے چشم قاتل کی طرف
سوچتا ہے تم کو دیکھ حسرت دیدار میں

عاشقوں کا ناز و ادا ہی انھیں کا کام ہے
مرحبا ہے رحمت عالم بھی خوئے یار میں

(۸۰)
حب دنیا اب بھی چھوڑو حضرت علوی کہیں
عشق کی آتش بجھی خاکستر بیکار میں

نہ بن شمس و قمر زاہد نہ قدسی ہو ستارا بن
کبھی گر ہو سکے تجھسے مرے پیارے کا پیارا بن

محال امکاں کی پردہ میں حاجب ہے تمنا کا
ترا یوسف بھی شیدا ہے مگر آہ زلیخا بن

نظر میں گر نہیں جلوہ تو عاشق کسکو کہتے ہیں
تصور زلف جاناں میں ذرا نقش چلیپا بن

نہ کہنا پارہ ہو کر میں کسی سے یار کی باتیں
سمجھ کچھ عشق کا غمزہ نہ حسرت میں تماشا بن

دکھایا سب تماشا کر کے کیسے اپنی جلوہ کو
شنا ہے آج بھی یہ ہی دوئی سے اب اکیلا بن

چھپا جو منع پالن غیب ہی یہ سب ارادہ ہیں
اگر شیریں نہیں ہوتا کہیں ویراں لیلیٰ بن

جدائی نے ستایا ہے کہیں اب نہیں تنہا
کبھی محجوب ہے تیری مگر اب تو ہمارا بن

اڑ گیا اب جامۂ ہستی بدن سے خوف آزادی
نہ عاشق بن نہ معشوق ہو زمانہ میں نرالا بن

فنا کیسی بقا کیسی وجود فوق ہے پستی
کلام لن ترانی سن حجاب بے محابا بن

پنہائی عشق نے بیڑی بہانہ کر کے سنت کا
ہوئی وصل دل میں کہہ نہ مجنوں ہو نہ لیلیٰ بن

(۸۱)
نہ دیکھا حضرت موسیٰ نے اب تم کسکو دیکھو گے
کسیکو تو نہ ڈھونڈھ علوی اب اپنا آپ شیدا بن

چرچا تمہارے حسن کا کس جا کہاں نہیں
صورت کو کیوں چھپاتے ہو جلوہ نہاں نہیں

ذرہ میں بھی چمک ہی تمہارے جمال کی
لیکن خموش یوں ہے کہ منہ میں زباں نہیں

وحدت تو بیتیاں کی کثرت میں چھپ گئی
کیونکر کہیں کہ یار یہاں ہے وہاں نہیں

ہمکو خیال تھا ترا ملنا محال ہے
اتنا پتہ چلا ہے کہ تو بے نشاں نہیں

(۸۲)
علوی خیال چھوڑ قریب و بعد کا
ملنے کے سو مکاں میں اک لامکاں نہیں

دوش نقاب پہ نام کو زنار بھی نہیں
یعنی لباس ہستی میں اک تار بھی نہیں

ملنا ترا تو حور و ملک کو ہو امحال
انساں میں تو طاقت دیدار بھی نہیں

ہے فصل میں بھی وصل کی لذت بھری ہوئی
دشوار وہ ہوا ہے جو دشوار بھی نہیں

یا رب مریض عشق کو آتی نہیں ہے موت
سوز جگر میں حدت آزار بھی نہیں

نالوں کو کوئی راہ میں کھٹکا نہیں رہا
سینہ میں ایسا کوئی دیوار بھی نہیں

گنجائش امید و تمنا تو کب طرف
ہاں دل میں اشک لعنت اغیار بھی نہیں

ابرو میں اونکی دیکھ لو جوہر بھرے ہوئے
کہتے ہو کیوں کہ ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

(۸۳)
علوی کو اپنے کام میں دیکھا نہ ہوشیار
سویا ہوا نہیں ہے تو بیدار بھی نہیں

شوریدہ سر اوٹھے تو گئے قتل گاہ میں
دیوانہ بنکے آئے ہیں کس بارگاہ میں

میری طرف سے ہٹتے ہو در ذات پر گماں	جو نظر کبھی ہوا اشتباہ میں
کرتے ہو کیوں خراب دل ناصبور کو	مدفن ہے آرزو کا اسی خانقاہ میں
جلوہ ترا ازل سے نثار حبیب تھا	غش کھا گئے کلیم تو ایک ہی نگاہ میں

(۸۴)
علوی بھی ہو گیا ہے عنایت کا مستحق
بیٹھا ہوا ہے وہ بھی تری بارگاہ میں

کیا رہا ہے اب دل مایوس میں	شمع ٹھنڈی ہو گئی فانوس میں
ہستی موہوم کو حیرت سے دیکھ	ہے کوئی اسرار اس ملبوس میں
ای فلک کرنا ہے جو کچھ کر گذر	جھلک ہیں صورت معکوس میں
سر کو دے پٹکینگے در پر یار کے	گر نہ آیا کچھ کف افسوس میں

(۸۵)
دوستی دنیا سے علوی اٹھ گئی
غربت ہے ہر دل مانوس میں

سمجھے ہوئے ہو کیا دل مضطر سرور میں	دوری میں شوق وصل نے کہا حضور میں
رحمت امیدوار سے کتنی رہیگی دور	ہے جذب محبت مرے ہر اک قصور میں
عالم ہے خود نظیر مگر تم ہو بے نظیر	خوبی وہ کونسی ہے جو پائینگے حور میں
تدبیر اور سبب ہیں مقدر کا حاشیہ	لیکن رضا کو لکھتے ہیں بین السطور میں
چھیڑو نہ بے سبب کسی حالت میں زاہدو	کیا جانے کیا کہیں لب عاشق سرور میں

(۸۶)
جب یار آ گیا تو جدائی بعید تھی
علوی یہ فصل دیکھ تو نزدیک و دور میں

تیری مرضی ہو ہماری جستجو	اتنو باقی ہے یہی بس آرزو
آمد آمد ہے شہ ناز کی	پہلے لا رکھ ساقیا جام و سبو
در پہ آنے کی اجازت دیجئے	ہیں پریشاں پھر رہا ہوں کو بکو

تیری نظروں میں ذرا تو قدر ہو
اسلئے کھوئی ہے ہمنے آبرو

ہے ازل سے ساتھ پھر انبساط
دل میں جوش وعدہ لاتقنطو

عدت خون ہو گئی فیض زوال
اسقدر ہوتا رہا اپنا نمو

جا بہ ہستی میں تھی بوسیدگی
اب نہیں باقی کہیں جائے رفو

کونسے منھ سے صفت تیری کروں
آب کوثر چاہیے پھر وضو

شکوہ بیداد آخر کسلئے
تیغ زیب دست ہے پھر گلو

(۸۷)
ہے ادب میں غیرت علوی اگر
ہو صدائے شوق بھی اب تو ہی تو

بڑھایا ضبط نے سوز نہاں کو
ملی بخشش ہی داغ تپاں کو

اسیر زلف اور شکوہ ستم کا
قفس میں ڈھونڈھتے ہو آشیاں کو

نہوتا پاس گر پردہ نشیں کا
دکھاتے چارہ گر زخم نہاں کو

سبب اس کم نگاہی کا جو پاتے
چھپاتے پھر طرح راز نہاں کو

(۸۸)
نہیں ہے ایک دلبر ناز علوی
بہت دل چاہئیں عشق بتاں کو

دل افسردہ میں پھر بھی خلش سوز نہاں کیوں ہو
بھلا ان ناتوانوں پر کسیکا امتحاں کیوں ہو

تعلق جب نہو کوئی تو کوئی سرگراں کیوں ہو
نہو گر قدر ہی دل کی تو کوئی داستاں کیوں ہو

ہماری اور تمہاری ہی تغافل درمیاں کافی
فلک نا آشنا ہو کر کسی پر مہرباں کیوں ہو

خموشی بار خاطر ہے جو خاطر رسکوں بخشی
یہ شاخ ہوئے مستانہ کسیکا آشیاں کیوں ہو

(۸۹)
عبث حیراں ہو علوی تمہیں کیا صبر مشکل ہے
اگر ہے ضبط کی طاقت تو پھر شور وفغاں کیوں ہو

خاک سے آدم بنا آدم سے ہوگا خاک تو
کونسی ہستی پہ اتنا ہو گیا بیباک تو

قدر سے واقف ہے تیری عظمت کوئی مکان
عرش منزل ہو چکا ای صاحب لولاک تو
فرش ہے نالا مکاں جانا ترا آساں تھا
تھا ازل سے سیر مواتقت لاادراک تو
خود لیا معراج شفاعت اپنی رحمت عام کو
کام کر آیا ہے کیا کیا بر سر افلاک تو

(۹۰)
مغفرت کا فرش ہے نیچے لولے حرکے
کیسلیئے ہوتا ہے علوی اسقدر غمناک تو

نہیں مختار اک ذرہ کہیں پر
زمیں پر اپنی لاچاری تو دیکھو
غم فرقت سپاہ نیم جاں ہے
یہہ راحت بخش بیماری تو دیکھو
زمیں ہی تھکو شفقت سے چھپایا
گنہگار یہہ ستاری تو دیکھو
دل صد چاک ہاتوں پر رکھا ہے
کبھی تم جنس بازاری تو دیکھو
دم نزع نہ بھولے آپ ہم کو
ذرا حضرت کی غمخواری تو دیکھو
رہا وحشت میں بھی حامی ہمارا
خیال یار کی یاری تو دیکھو
ارادہ پر کوئی قادر نہیں ہے
محیط شے کی مختاری تو دیکھو
یہہ مانا اشرف المخلوق ہو تم
کبھی اپنی بھی لاچاری تو دیکھو

(۹۱)
بہاے صبر ہے علوی کی حیرت
یہہ ناکارہ خریداری تو دیکھو

بے تمنا رگ بسمل سے صدا پیدا ہو
اک کرامت ہے اگر آہ رسا پیدا ہو
کیا قیامت ہے کہ اغیار سے بیباک ہیں وہ
مجھسے گر آنکھ ملائیں تو حیا پیدا ہو
تیرے وحشی کی طلب ہے درمقصد سے بعید
التجا دل میں نہ آے کہ دعا پیدا ہو
کثرت وعدہ و پیغام سے ہو تم بدنام
چھوڑ دو سب کو تو پھر تم میں وفا پیدا ہو
اوسکی ہستی نے مٹایا ہے وجود ہستی
خود نہو دل میں تو پھر نام خدا پیدا ہو
ایک داغ سے تو اوگتے ہیں ہزاروں گل پھول
دفن کرنے سے مبرے دیکھیے کیا پیدا ہو

درد مند دل عشاق کی تاثیر نہ پوچھ | بجلی تسکین کو ہر صبح ملا پیدا ہو

(۹۲)
مرقد علوی مضطر کے قریب آکے کبھی
ایسے چلنا کہ نشاں کف پا پیدا ہو

عجب شمس حقیقت بہ مدر دیں ہو | خدا جانے کہ تم کتنے حسیں ہو
مدار مغفرت ٹھہرا رضا پر | شفیع بیکسیں دنا کس تہمیں ہو
شریعت میں بھی آپ حبل المتیں تھے | طریقت میں بھی حق الیقیں ہو
عجب سے دینا ہے لو فخر عالم | نہیں کہتا چناں ہو یا چنیں ہو

(۹۳)
نجاہے دل سے شوق پاسبانی
تمنا ہے یہی علوی کہیں ہو

غیرت ہے اور یہ سخاوت ہی سہی | پاس الفت نہ سہی سہو عنایت ہی سہی
ایک نالہ سے ملاتا ہوں ہزاروں حسرت | تاب فرقت نہ سہی زور کرامت ہی سہی
دم نکلتا ہے ذرا دیکھ لو آکر مجھکو | رسم الفت نہ سہی پھر عیادت ہی سہی
زاہد اپنج ہے کہ ناقص ہیں نمازیں میری | ہاں عبادت نہ سہی عجز کی عادت ہی سہی

(۹۴)
ہمنے مانا کہ نہیں وصل کے لائق علوی
تیرے ملنے کی دل دردمند میں حسرت ہی سہی

نہیں ہے گردش آفاق جسم و جاں کیلئے | بلائے جاں ہے ہمیں تہی بے زباں کیلئے
فضائے صحن اجابت میں بلبل امید | ہتکی ہے ڈھونڈھ کے اک شاخ آشیاں کیلئے
ہے نور احمد مرسل تو نعمت ابدی | کبھی نہاں کے لئے تھا اب ہے عیاں کیلئے
لکھا ہے کلک قضا تونے نام کس گل کا | تنگا فندوکش وحدت ہوا زباں کیلئے

(۹۵)
بہ شکل نقش تحیر ہو منتظر سرکے
کو ہے سے آئے ہو علوی کہاں گماں کیلئے

جشم الطاف وہ کہتے ہیں گنہگار کے ساتھ
فیصلے کرتے ہیں کیا مجھسے سیہ کار کے ساتھ

شعلۂ شوق ہے ہمدم ترے عاشق کا نصیب
جلوہ طور ہے دلبر تری رفتار کے ساتھ

ہے تصور کا مکاں منزل جاناں کے قریب
دشت فرقت میں بھی ہم پھرتے رہے یار کے ساتھ

(۹۶)
گردش چرخ سے چھوٹے کا نہ بیچارا علوی
تو وہ نقطہ ہے کہ ہے دور میں پرکار کے ساتھ

نہ پوچھو ہمسے بسمل سے کہ کیا اوسکو تمنا ہے
اجابت اوسکی آنکھوں میں خیال عکس عنقا ہی

نہال الفت ارماں سبھی آخر لگتے ہیں
کہیں سرسبز ہوتے بھی کسنے اونکو دیکھا ہی

نہیں گر آرزو کوئی تو پھر یہ التجا کیوں ہے
شکایت اوسنے کرنا شوق تمہید تمنا ہی

(۹۷)
ہزاروں آفتیں رہتی ہیں روز علوی مضطر کو
قفس میں بلبلوں کو ایک رونا بال و پر کا ہے

شوق وصل مہ جبیناں دور کی آواز ہے
کیا بلند اقبال اپنا طالع ناساز ہے

خار صحرا سرنگوں ہیں قبر پر اندوہگیں
حسرت دیرینہ مرقد میں نوا پرداز ہے

واہ کیا ساماں کیا ہے صبر ساماں سازنے
ماہ و خور کی چاندنی ہر گھر میں پا انداز ہے

جنکو تسکین جور سے ہوتی نہیں تیرے بغیر
اونکو اپنی بیکسی پر قبر میں بھی ناز ہے

تاک میں بیٹھا ہے کسکی ہائے صیاد اجل
جاں خود ہی ہجر میں شوریدہ پرواز ہے

(۹۸)
حدت سوز جگر سے جلگئے صحرا تمام
سبزہ مری قبر پر علوی نوا پرداز ہے

لخت جگر تھے سینہ میں پنہاں کئے ہوے
اب ہیں اونہیں کو ہم سر مژگاں کئے ہوئے

مدت سے ہم کھڑے ہیں ذرا لیجئے خبر
تیری طرف فراخی داماں کئے ہوئے

اے عندلیب شوخی نالوں کو روک لے
گل ہیں چمن میں چاک گریباں کئے ہوئے

آتے ہیں دل میں اسلئے ارماں نئے نئے
عرصہ ہوا ہے عوت حرماں کئے ہوئے

(۹۹)

داغوں سے دل فراق میں علوی ہے باغ باغ
بیٹھے ہوئے ہیں بزم چراغاں کئے ہوئے

آنکھوں میں بار درشنی ہے مری کوہ طور کی
دیکھا نہیں ہے دیدہ مفتوں نے غیر کو
دل کو ملا ہے ہجوم تمنا ہوا نصیب
منکر کبھی تھے وحدت حق پر یقین کر

ذرہ میں بھی چمک ہے تمہارے ہی نور کی
اس منتظر کی آنکھ میں عصمت ہے حور کی
نالوں کی ہر صدا میں تھی آواز صور کی
برگ شجر میں دیکھ شہادت ظہور کی

(۱۰۰)

علوی کو داد الفت گیسو نصیب ہو
بیچین اوسکو رکھتی ہے فرقت حضور کی

نہ کہنا سے پستوں کے دم نزع ہمیں ساقی
نہیں زاہا تو لے ساقی کبھی دو گھونٹ پی جائے
نکالا جب عزیزوں نے بہت تھی مجکو حیرانی

نہ رکھ امید جینے کی کہ اب پیمانہ خالی ہے
کسی دن یہ خبر کرنا کہ اب میخانہ خالی ہے
بلا کر گور نے مجھسے کہا یہ خانہ خالی ہے

(۱۰۱)

نہ تھا مجنوں تو علوی تہا نہ ہو علوی تو کیا ہوگا
نہ کہنا قبر پر اوسکی کہ اب ویرانہ خالی ہے

ضبط فغاں سے اور بھی غمناک ہوگئے
امید بہر صبر ہے عشاق کے لئے
تھی سادگی حجاب سوال وجواب کی
تاثیر آہ و نالہ سے بلبل کو کیا ملا
اہل فن کی حشمت وعظمت کا کیا صلہ

رو پاکے تو رنج سے کچھہ پاک ہوگئے
انکار سے ہم اور بھی بیباک ہوگئے
باتوں سے تیرے ہم بھی تو چالاک ہوگئے
کہنے کو گل چمن میں جگر چاک ہوگئے
لعل و گہر تو خود خس و خاشاک ہوگئے

(۱۰۲)

علوی کے ہر خیال کو وسعت نصیب ہے
زحمت اوٹھا کے صاحب ادراک ہوگئے

کیا شکایت کیجئے جلاد کی

کون سنتا ہے دل ناشاد کی

بار دیگر گل کے ہنسنے کے لئے
بلبلوں نے سال بھر فریاد کی

تیرے در پر آ رہا صحرا نورد
اک صدا سن لو کبھی آزاد کی

مجھسے زیادہ نہیں دیوانہ تھا
کیوں کہانی سنتے ہو فرہاد کی

شکر میرا منتظر معشوق تھا
اسلئے حیرت میں تیری یاد کی

خلوت الفت ہوئی خانہ خراب
پھر ہوئی عزت دل برباد کی

(۱۰۳)
حشر میں علوی کو ہوگا شوق دید
زاہدوں کو آرزو ہے داد کی

خدا کہتے ہیں ہم اسکو جو قدرت سے اعلیٰ ہے
صفت میں شان میں صورت میں دنیا سے نرالا ہے

بیاں ہو حسن عالم سوز کا احوال کیا ہمسے
صفائی کا عجب ظلمات میں رستہ نکالا ہے

دم نزع مدد کرنا تمہیں محبوب سبحانی
کہ ڈوبی کشتیوں کو آپنے اکثر نکالا ہے

کبھی تو چشم الفت سے ہمیں بھی دیکھ لو مولا
دل مضطر کو فرقت میں بمشکل کچھ سنبھالا ہے

(۱۰۴)
دل ناشاد اے علوی جو قرباں ہے حسینوں پر
اوسے مدت تلک خون جگر سے ہمنے پالا ہے

دل صبر سے تو اور بھی اب بیقرار ہے
آہیں ہوں کسطرح میرا سینہ فگار ہے

پہلے تو خود پسند طبیعت تھی زاہدو
اب کچھ دنوں سے دل بھی کسی پر نثار ہے

آدم کا ہے وجود فنا و بقا کا دور
اچھا گلے میں حلقہ دار غم ہو مدار ہے

ادراک تھا عدم میں بھی صحن محیط میں
ہستی میں اب وہ ہی رہ بے اختیار ہے

(۱۰۵)
تھا پارسا وہ ہی جسے کہتے ہیں بادہ خوار
علوی ہر اک بزم میں یاروں کا یار ہے

خبر ہے معتبر یارو محمد ہمپہ پیارا ہے
یہی باقی گنہگارو تمہارا اک سہارا ہے

نہو قسمت میں در تیرا تو سر پھوڑیں کہاں جاکر
وگرنہ تیری جوری بھلا کسکو گوارا ہے

ہوا ہے کوی جاناں پہر دل وحشی میں جلتی ہے — مذاق عشق پہر ہمکو نئے سر سے گوارا ہے
کیسے فیض صحبت نے یہانتک سرد مہت کی — جو کشتی بھر کے ڈوبی تھی اوسیکو پہر ابھارا ہے

(۱۰۶)
بہت کی ہے ہمنے ناوانی کہ اب پہر لطف سبحانی
کہ علوی جیت کربازی بہت دہوکہ میں ہارا ہے

تمنا یہہ رکہتے ہیں ضبط تمہاری — اوٹھیں حشر میں مرکے در پر تمہارے
یہہ کیا لطف کم ہے شہ نازنیناں — اگر مرکے رہجائیں در پر تمہارے
قفس میں پھڑکنا نہ صیاد دیکھے — وگرنہ کٹیں گے ابھی پر تمہارے
ذرا در کے اوپر سے پردہ اوٹھادو — بہت منتظر ہیں کھڑے باہر تمہارے
یہہ کیا بے نیازی ہے بندہ نواز — کہ عاشق پریشاں ہیں اکثر تمہارے

(۱۰۷)
ہوا سنگ اسود کا علوی کو دھوکا
نہ لے جائیے یہہ در کے پتھر تمہارے

مرگئے ہجر میں پر عشق کی حسرت نہ گئی — اے وفا شکر کہ اتنا تک تری عصمت نہ گئی
جیتے جی ہی تری الفت کی حلاوت نہ گئی — بعد مرنے کے جدائی کی شکایت نہ گئی
روز تازہ غم و اندوہ کو پایا ہے ہمنے — عمر بھر حسرت دل کی ہی عادت نہ گئی
چپکے چپکے مرے پہلو میں جلایا دلکو — آہ و نالہ میں خموشی کی کرامت نہ گئی
خاک کیوں مرقد مسکیں کی اوڑاتے ہیں حضور — یہہ تو دنیا سے گیا تمکو عداوت نہ گئی
مرگ کے بعد بہی بازیچہ طفلاں ہی رہا — کشتہ عشق کے مرقد سے بہی وحشت نہ گئی

(۱۰۸)
سرد مہری سے ترے خانہ مرا اندار کبھی
خون علوی سے ذرا سی بہی تو حدت نہ گئی

زباں پر آئیگی جو دل میں ہوگی — تو رسوائی بھری محفل میں ہوگی
کھڑے ہوکر ہمیشہ در پر پکاریں — یہہ جرأت بہی کسی کامل میں ہوگی

مذاق شوق گر حیرت میں ہوگا
تو پھر لیلی ہر اک محمل میں ہوگی

نہ ہوگا کام کیا مرنا نہ ہوگا
یہ آسانی ہر اک مشکل میں ہوگی

وہیں بسمل بہت مر مر اٹھینگے
ہوائے عشق جس منزل میں ہوگی

یہ خنجر گلو ہو زیر زانو
یہی بس آرزو بسمل میں ہوگی

(۱۰۹)
جواب تلخ کیا دینگے وہ علوی
اگر حرمت لب سائل میں ہوگی

صدا مرے قم باذنی خنجر قاتل سے نکلے گی
الٰہی جان کیونکر سینہ بسمل سے نکلے گی

کھٹک جو دل میں ہوتی ہے وہ کس نشتر سے نکلے گی
لگی ہے پھانس پہلو میں بڑی مشکل سے نکلے گی

ادب کو ہاتھ سے دینا نہ حیران بنکے بیتابو
اجابت دوڑ آئیگی دعا جو دل سے نکلے گی

زمیں جرخ تنگ آئی کسی وحشی کے پھرنے سے
سواری تیری کشتوں کی اب منزل سے نکلے گی

ہزاروں قیس بن بنکر بگڑتے ہیں زمانہ میں
کبھی جھنجلا کے لیلی بھی کسی محمل سے نکلے گی

اٹھے گا شور قبروں سے صدا اللہ اکبر کا
اگر بوئے گل عنبر تری محفل سے نکلے گی

(۱۱۰)
مچی ہے دھوم دنیا میں کہ علوی آج مرتا ہے
بڑی حسرت سے کوئی شے اس آب و گل سے نکلی گی

مے الفت جو بیخبر کر دے
شیشہ دل میں ساقیا بھر دے

دل سے نکلیں کبھی نہ حسرت و یاس
ایسی بھٹی میں کوئی کیوں سر دے

یا الٰہی جو رحبیب ہے دور
اک فرشتہ کے نوچ کر پر دے

آہ و نالے نکل کدھر جائیں
انکے بسنے کو کوئی تو گھر دے

مجکو دکھلا کے حق سے کہدینا
بے سبب اسکو جنتی کر دے

صبر کی داد مانگ لینگے ہم
مرے نالوں کو بے صدا کر دے

سوز دل میں شرر بھی ہنستے ہیں
عشق کے ساتھ دیدہ تر دے

(۱۱۱)	ہے تمنا تمہارے علوی کی اپنے ہاتھوں سے اب کوثر دے	
سب سے بڑی ہے مشیک ہر شان کبریا کی		تعریف ہو سکے گی بندہ سے کیا خدا کی
خالی نہیں ہے ناداں دنیا میں جسم خاکی		شوخی بھری ہوئی ہے اس نفس فتنہ زا کی
پکڑے گا کس خطا میں اے محتسب ہمیں تو		ہر معصیت پہ اپنی قاضی نے خو جبیا کی
سنتے ہیں حشر میں بھی تو لینگے دست قدرت		مالک کی چشم پوشی بندہ کی خو خطا کی
(۱۱۲)	جلوہ اگر کسیکا دیکھا نہ تھا کسینے علوی کی روح کس نے تالو بلی کہاں کی	
اجابت سے سدا ہمنے حیا کی		کہ عاشق کب کہیں ہوتے ہیں شاکی
عبث اے چارہ گر مری دوا کی		کہ ہے ہر درد میں رحمت خدا کی
نہوں میخوار بھی رندوں میں شامل		بندہی دستار ہو گر پارسا کی
شراب عشق جب دو گھونٹ پی لی		رہی باقی نہ پھر کچھہ بوریا کی
سہارا حشر کا منظور کب ہے		حمایت چاہیے خیر الورا کی
ہنسی غنچوں کو آئی بلبلوں پر		شکایت کر اوٹھے باد صبا کی
پیام مرگ بجھیر آفریں ہے		محبت تو نے حسرت سے جدا کی
(۱۱۳)	نہو مشکل بھی کچھہ دشوار علوی مقدم ہو اگر مرضی خدا کی	
از مشک و عنبر برتری واز بوی گل ہم خوشتری		تو در جہاں بالاتری زیباست یا تو سروری
من در جہاں بدتر شدم از خوے ننگ کمتر شدم		تو با گروہ انبیا در لطف واحساں برتری
تو با خدا پیوستہ من با تو دارم ملتی		من از تو جویم بستنے نو برتری از ہمسری
من بندہ بیچارہ ام تو سرور کلکو تیاں		حقا چہ گویم درد دل من دیگرم تو دیگری

شد عکس با عکس خفی از آئینہ باآئینہ — ہر عرض دارد اصلہا من با تو جویم بہتری

(۱۱۴)

علوی غریب بینوا در معصیت شد مبتلا
باشد کہ از بہر خدا او در سست پیماں بگذری

بھٹیاری کی صدا

میاں مسافر اٹھو سویرے کہ رات اب کچھ نہیں رہی ہے — سنبھالو گٹھری اٹھاؤ بستر حیات اب کچھ نہیں رہی ہے
چلو یہاں سے قدم بڑھاؤ کٹھن ہی منزل تمہاری آگے — نہ دل لگاؤ مٹاؤ جھگڑا کہ بات اب کچھ نہیں رہی ہے
خبر ہے کچھ تمکو میرے پیارو پڑے ہو تم دور قافلے سے — پکارتی ہے یہ موت ہر دم حیات اب کچھ نہیں رہی ہے
چلی ہے ٹھنڈی نسیم ایسی کہ آنکھ کھلتی نہیں کسیکی — سدھارو جلدی خدا ہے حافظ کہ رات علوی کچھ نہیں رہی ہے
تمہارے ساتھی ہیں جانے والے نئے مسافر ہیں آنے والے — جو جنس باقی ہو گانٹھ باندھو کہ بات اب کچھ نہیں رہی ہے

(۱۱۵)

نہ زلف لیلیٰ نہ سوز مجنوں نہ کوئی علوی عزیز اپنا
فلک کے نیچے زمیں کا وہ صفات اب کچھ نہیں رہی ہے

محمل دنیا

ہم رہے جس گھر میں آکر یہ عجائب خانہ ہے — فرش خاکی سقف آہن کیا طلسمی خانہ ہے
کوئی مست خودی اور کوئی مست الست — اک کشش میں دو نشہ میں یہ عجب میخانہ ہے
صحبت اغیار سے خانہ خرابی ہے یہاں — ہم نفس ہے یک نفس جو دشمن فرزانہ ہے
رات دن کہاتے ہیں خواہش کم نہیں ہوتی کبھی — آدمی کے جسم میں کیا کوئی آتشخانہ ہے
کیسی کیسی صورتیں سب جا ملی ہیں خاک میں — خوب دیکھا اس جہاں میں دوست بھی بیگانہ ہے
دشمنی کرتا ہے اپنے آپ ہی آدم سدا — کالبد میں کوئی اپنا دشمن فرزانہ ہے
کیا ہوئے وہ باغباں اور کیوں وہ گل کملا گئے — جس جگہ دیکھا تھا گلشن آج وہ ویرانہ ہے

جو زمانہ جا چکا وہ صیغہ ماضی بنا	حال اب ہے نام جسکا وہ نیا افسانہ ہے
دیکھنا باقی ہے اب کچھ رنگ استقبال کا	یہ تو جانا ہمنے دنیا کوئی عبرت خانہ ہے
فاعل و مفعول بھی سب امر کے پابند ہیں	واہ وا میزان قدرت کا بھی کیا پیمانہ ہے
مصدر فیوض نے کیا کیا نکالا لفظ سے	مرحبا ہر اسم میں مقصود صاحبخانہ ہے

(۱۱۶)
خواب ہے جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا
جسکو گھر سمجھا ہے علوی وہ مسافر خانہ ہے

نقل ہے کہ حضرت مخدوم جہاں گشت کا گذر ایک غار میں ہوا دیکھا کہ یہاں بھی اک مخلوق آباد ہے سخت حیرت ہوئی کہ زمین کے پردہ میں یہ دنیا کسکی ہے انکا خدا کون ہے اسی جستجو میں چرچا سنا کہ آج مخلوق کا خدا آنے والا ہے ہر گھر میں اسی آمد کا انتظار ہے ہر جاندار اس شوق میں محو ہو رہا ہے کچھ انتظار کے بعد ایک تخت ہوا پر معلق نمودار معاً ہوا اسکے دیکھتے ہی ہر شخص بڑی عاجزی کے ساتھ سجدہ میں گر پڑا اب یہ تخت مرصع سطح زمین پر آگیا حضرت نے دیکھا کہ وہ حکیم ہے جس سے ایکدفعہ کسی پہاڑ پر ملاقات ہو چکی ہے حضرت مخدوم نے اپنا خیال صحیح کرنے کے بعد سلام علیک کی اور فرمایا کہ حکیم صاحب یہ کیا حکیم نے جواب دیا کہ حضرت کچھ نہیں ہر سال ایک نئی دنیا پیدا کر کے اپنا شغل قائم رکھتا ہوں اگر آپکی ناپسند ہو تو جانے دیجئے اور یہ کہکر اپنی مسند کا گوشہ پلٹ دیا حضرت نے دیکھا کہ نہ وہ مسجود ہیں نہ وہ معبود بلکہ جس پہاڑ پر حکیم موصوف سے پہلے ملاقات ہوئی تھی اوسی پر دونوں کھڑے ہوئے ہیں۔

یہ نقل جو اوپر بیان ہوئی ہے اگر صرف قصہ ہے تو اچھی نظیر ہے اور اگر واقعی حال ہی تو وہ بھی سحر کا کارخانہ تھا اور ہم بھی کسی فسونگر کے پھندے میں ہیں فرق اتنا ہے کہ وہ اپنے معبود کو دیکھکر سجدہ کرتے تھے ہمکو غیب کی باتوں پر اور بعید از قیاس امور پر یقین دلا دلا کر مسجود کرنا چاہتا ہے۔

زمیں بر فلک شد فلک بر زمیں	یہہ حالت کہیں اور دیکھی نہیں
نہ مٹی کا پانی پہ دیکھا قیام	نہ پانی یکطرف ٹھیرے مدام
نہ ایک سقف ٹھیرے بجز بے ستوں	وہیں تحیر کہاں تک کہوں

یہہ سچ ہے کہ ہم معبود کو ان آنکھوں سے نہیں دیکھنے مگر جب اوسکا دہیان کرتے ہیں اور خیال کی پریشانی دور ہوجاتی ہے تو ہر ذرہ میں اوسکے نور کی چمک نظر آتی ہے ہر سینہ میں اوسکی وحدت کا نقشہ کھنچا ہوا دیکھ سکتے ہیں متضاد مادوں کا ایک مزاج نکالنا پانی کو آگ میں ہوا کو مٹی میں چھپاسے رکھنا اوسیکی شان ہے رات دن فنا کا نشو ونما دیکھ رہے ہیں اور اپنی لقا پر بھروسہ ہے قرار کسیکے ملک نہیں مگر قیام کے لئے عالیشان عمارتیں کھڑی کرلیتے ہیں خدا ہی خوب جانتا ہے کہ یہہ کیا اسرار ہے کہ ارادہ پر اختیار اور اختیار بلا اقتدار خطا وار بناتا ہے۔

یاد ش بخیر دل میں سراپا کھنچا رہے	جبتک کہ سانس آپکا نقشا بنا رہے
رخ پر تمہاری یار جو زلف دوتا رہے	لٹکی ہوئی یہہ روح بھی بعد از فنا رہے
غنچوں نے نسیم سے چپکے سے کہدیا	ہم کل نہ ہونگے باغ میں باد صبا رہے
صل علیٰ جمال پہ تیرے مدام ہو	کہدی کہ یہہ غریب مدینہ میں آرہے
دل ہی بڑی جگہہ ہے فقط لامکاں نہیں	اوس گھر کا آستانہ ہی حسین غم آرہے

(۱۱۷) جنت تو زاہدوں کو الہی نصیب ہو
علوی کی آرزو ہے مدینہ میں جا رہے

اینٹو کراہ شیوہ بیمار ہوگئی	خوئے جفا شعار بھی لاچار ہوگئی
ٹپکا زمین پہ خون شہید ناز کا	ہر رگ بدن میں رشتہ زنار ہوگئی
اس زندگی پہ سیکڑوں جانیں نثار ہیں	ہمپر تو ایک رات بھی دشوار ہوگئی
کیونکر نہ ساتھ ہو حسرت کا قافلہ	صحت کی جب امید بھی آزار ہوگئی

محو رضائے دوست کی ہمت پہ آفریں — فطرت ہوائے کوچہ دلدار ہو گئی

(۱۱۸) علوی اسی زوال سے روتا ہے رات دن
خونخوار آنکھ دیدہ خونبار ہو گئی

چاروں طرف جہاں میں کسکا ظہور ہے — پہلو میں ہر نفس کے جدا کوہ طور ہے
ہے کفر میں بھی شان مقدس چھپی ہوئی — تصدیق ہے گواہ کہ ظلمت میں نور ہے
خالی نہو گا حشر میں پیالہ فقیر کا — شیشہ میں اوسکے پاس شراب طہور ہے
ہے آرزو کہ کوچہ جاناں میں چل رہیں — پیری بھی اب قریب ہے منزل بھی دور ہے
وہ مدعا دل سے خبردار کیوں نہو — نزدیک دور جسکے کہ پیش حضور ہے
جب سے شراب عشق پلائی ہے ساقیا — دل میں نشاط آنکھ میں ابتک سرور ہے

(۱۱۹) اہل وطن نہیں تو مبارک رہے وطن
علوی کو در پہ یار کے رہنا ضرور ہے

نہ چھلکے پیالہ سے ایک قطرہ مے — کہ ارزاں ہیں سوخت کاوس و کے
شب و روز رو رو کے کہتی ہے نے — برائے فنا ہے یہہ جو کچھ کہ ہے
کدورت سے ساحل بھی ہے پاک و صاف — کہ دریا میں موجیں اوٹھیں پے بہ پے
خمار مے عشق جب چڑھ گیا — تو پھر سلطنت بھی نہیں کوئی شے

(۱۲۰) صدا میں نہیں جذب تاثیر باقی
نہ نالوں میں علوی رہی کوئی لے

مزار عزیزاں پہ کوئی نہ آئے — کہ یہہ منزل عشق حسرت بھری ہے
گنہگار سے کیوں وہ پھیریں نظر — جن آنکھوں میں قدرت نے الفت بھری ہی

(۱۲۱) سبوئے جام کثرت سے علوی شراب
کہ پیالہ میں ساقی کے وحدت بھری ہی

صبر کرنا دم مضطر کو سوا مشکل ہے ۔ سچ تو یہ ہے اسی قدرت کا صلا مشکل ہے
قتل کرتے ہیں گنہگار کو شرمائے ہوئے ۔ بارک اللہ کہ ایسی بھی حیا مشکل ہے
عذر تقصیر ہوا خوئے جفا کا منظر ۔ قتل آسان ہے دلے عفو خطا مشکل ہے
داد بیداد کی کس کس کو وہ دیتے آخر ۔ کثرت شغل میں ہر وقت وفا مشکل ہے
میرے لاشہ کی بھی تشہیر وہ کرتے کیونکر ۔ بے ضرورت کسی مجرم پہ غضب مشکل ہے
ناز انداز رفاقت سے ہمیشہ ہے قریب ۔ جنکے رتبہ میں سوا انکو سوا مشکل ہے

(۱۲۲)
دل یہہ کہتا ہے کہ چھیڑ دو اسی علوی اکبار
نیم بسمل کو دم نزع صدا مشکل ہے

تشنہ لب ہیں ہم بھی اک دو جام کے ۔ اب تلک تھے منتظر پیغام کے
سخت مشکل ہو گیا آسان بھی ۔ حوصلے جب گھٹ گئے ناکام کے
ہے بہار باغ رضواں ناگوار ۔ جب سے شیدا ہیں کسی گلفام کے
جان دیں یا سر کو دیں ٹیکیں کہیں ۔ منتظر ہیں دیر سے الہام کے
وصل کا خواہاں تو ہوگا کوئی اور ۔ ہم تو صدقہ ہیں تمہارے نام کے
عذر بے مہری کا شکوہ کچھ نہیں ۔ ہم سلامی ہیں صدا بیدام کے
گر نکل آتے کبھی وہ بیحجاب ۔ ذبح ہوتے مستحق انعام کے
پنجرہ میں کیوں اسیر نامراد ۔ چگ رہے ہیں مرغ دانۂ دام کے
تلخی تقدیر کیا ہو بے مزہ ۔ جو ہوے عادی تری دشنام کے

(۱۲۳)
معصیت ہرگز نہیں منظور غیب
اسلئے تم بھی ہو علوی کام کے

نماز کیسی کہاں کا روزہ رضائے دلبر کی جستجو ہے ۔ ہمیں یہی ہے یار اپنا اسمیں اپنی بھی آبرو ہے
عبث ہی شکوہ رقیب تیرا یہی ہے پھر جفائے جاناں ۔ حبیب کے تھے میں ناز اور پھر نیاز مندی کی گفتگو ہے

چمن میں بلبل سے آ کے پوچھا صبا نے حیرت سے طیش کھا کر ۔۔۔ بہار ہر سو ہے فصل گل ہے یہ کیسی فرقت میں ہائے ہو ہے

کہا یہ بلبل نے آہ بھر کر فراق دائم ہے وصل دم بھر ۔۔۔ ہم اپنی عادت کو چھوڑیں کیونکر سدا سے عاشق کی یہ بھی خو ہے

ہزاروں دیکھے ہیں ہم نے دلبر جہاں میں دیکھا کسی سے بہتر ۔۔۔ چمن میں دیکھے ہیں لاکھ گل ہیں تیری نگہت نہیں یہ بو ہے

چمن میں گل ہیں ختن میں آہو فلک پہ حوریں زمیں پہ خسرو ۔۔۔ نہ کوئی خوش رو نہ کوئی خوشبو حجاب گیسو کی چار سو ہے

(۱۲۴)

بنا ہے زاہد تو بے طمع ہو حرص کی گٹھری نہ باندہ علوی

نہیں ہے دل میں اگر توکل تو بے تکیہ یہ شست و شو ہے

کس جبیں سے یہ عشاق کریں ناز کسی پر ۔۔۔ دل کہتے ہیں جسکو وہ ہے اک بوند لہو کی

ہوئی مری یہ جان تو اک دام کے صدقہ ۔۔۔ کب کی تر سے خنجر نے کبھی قطرہ گلو کی

کہاں قسمت غریبوں کی کہ شاہ دو جہاں ملتے ۔۔۔ وہ محبوب خدا ٹھہرے کسے ملتے کہاں ملتے

یہ مانا ہے شیدائی ملینگے حشر میں ہم سے ۔۔۔ تمنا مری اب یہ تھی کہ پہلے ہم یہاں ملتے

نہ ہوتی ضبط کی قدرت تو تسکین کچھ نہ کچھ ہوتی ۔۔۔ تری فرقت میں نالوں سے اگر آہ و فغاں ملتے

رکے وہ دشت حیرت میں جو نالے میرے کام آتے ۔۔۔ بیاباں سیکڑوں مجکو اگر آتش فشاں ملتے

(۱۲۵)

پہنچو رہا عشق نے علوی کسی حالت میں طالب کو

دم نزع یہ حسرت تھی کہ پھر بھی جانستاں ملتے

دوش پہ اپنے جب قبا نہ رہی ۔۔۔ اہل دنیا سے کچھ حیا نہ رہی

مست پھرتے ہیں تیری الفت میں ۔۔۔ زندگی اپنی بے مزا نہ رہی

لطف جینے کا کیا رہا زاہد ۔۔۔ سر یہ عاشق کے گر بلا نہ رہی

مٹ گئے جو تیری جدائی میں ۔۔۔ ایسے کشتوں کو پھر قضا نہ رہی

بار عصیاں بھی ہے بہت ہلکا ۔۔۔ منفعل جب ہوئے خطا نہ رہی

دل امیدوں سے خود ہوا بیزار ۔۔۔ کیا ہوا گھر کہیں وفا نہ رہی

ہے اجابت بھی شوق طالب میں ۔۔۔ التجاؤں میں گر ریا نہ رہی

گوشۂ قبر مجھے پسند آیا
جبکہ تسکین کو کوئی جا نہ رہی
لطف آنے لگا مصیبت میں
دور گردوں میں اب جفا نہ رہی
شکر کرتا ہوں اپنے قاتل کا
میری ہستی کو اب فنا نہ رہی

(۱۲۶)
پوچھتے ہیں وہ حالِ علوی کا
اوسکے نالوں میں جب صدا نہ رہی

جب سے ہمنے قلندری پائی
دل نے اپنے تونگری پائی
تیرے در سے نہ ہم گئے محروم
ایک عالم نے افسری پائی
کوئی طالب نہ ہے کوئی مطلوب
اب تو ہمنے ہی دلبری پائی
مانگنے کی ہے ساقیا عادت
ہمنے خوبی سے گداگری پائی

(۱۲۷)
منزل عشق دور تھی علوی
خوب مرشد سے رہبری پائی

تم عدم کو چھوڑا کیسی بقا کے بدلے
ہستی میں آکے ہمنے کپڑے فنا کے بدلے
سر نیاز جسنے پایا ہے عاشقی میں
دیتے نہیں ہیں اوسکو ناز و ادا کے بدلے
ہے خیر و شر نہیں ہے لیکن ہے فعل میرا
نادم ہے کچھ کرم ہو جلدی سزا کے بدلے
اچھا نہیں ہو اچھے لیکن برے نہیں وہ
دیتے ہیں جو دعائیں مجھکو جفا کے بدلے
منظر ظہور کا تھا نور حیات میرا
عالم نثار پایا ایک ہی ادا کے بدلے
کسطرح جان لیں ہم تم کس سے کیوں خفا ہو
کرتے ہو لطف کیا کیا ہر اک خطا کے بدلے
در پر کھڑے ہیں اوسکے رو رو کے مانگتے ہیں
آخر وہ کچھ تو دینگے لاکھوں دعا کے بدلے

(۱۲۸)
حیرت میں آکے سب نے دیکھا تھا ایک جلوہ
کیا کہتے اور علوی قالوا بلیٰ کے بدلے

منور جو ہے اسلئے مہر وہی اصل میں پیدا ہے
کہ نور شمس عالم میں ہر اک ذرہ پہ شیدا ہے

کبھی قطرہ میں گردش تھی اور اب صحرا میں مگتی ہے
دم نزع یہ سمجھا یا مجھے اک پیر دانا نے
بہت سے کھیل کھیلے ہیں حباب زندگانی میں

مجھے حیرت ہے ہستی پر کہ کل کیا تھی اور اب کیا ہے
سنا ہے تو نے اے بندے کہ مالک تجھ پہ شیدا ہے
ہمارا مر کے پھر اوٹھنا بھی اک اچھا تماشا ہے

(۱۲۹)

بلا لو در پہ اب جلدی اگر علوی سے راضی ہو
خدا جانے کہ کل کیا ہو یہ کس نے آج دیکھا ہے

عجب حالت ہے عالم کی کہ بالا زیر پستی ہے
قیام ہر ذرہ کو ہے نسبت جاودانی سے
[illegible]
عناصر جوش میں آئے کشش سے اپنے مرکز کی
کہیں تم جان بھی لے لو کہ تنگ آیا ہوں جینے سے
گنہگارو اوٹھو جلدی اماں ڈھونڈو کہیں جاکر
بنا ہوں میر ساماں میں نشاط نوجوانی کا
بنا ہے آدمی حضرت کسی قدرت کی ہاتھوں سے

کہیں کیونکر قدیم اوسکو تغیر جسکی ہستی ہے
یہی ہیں نیستی ہو گی اسیکا نام ہستی ہے
مجھی کو غور سے دیکھو کہ یہ تصویر کسکی ہے
الٰہی خیر امواج فنا پر اپنی کشتی ہے
فقط میری ضرورت سے بڑی شئے آج سستی ہے
سنا ہے ملک رحمت میں مدینہ ایک بستی ہے
اجل مری ارادہ دل کیسا جبر سے مشتق ہے
نہ دیکھو تم حقارت سے کہ ہر تصویر دستی ہے

(۱۳۰)

نہ لا دو بوجھ اب زیادہ حرص میں آ کر تم علوی
کہ کشتی آگے دریا میں نہ ہو جا کے پھنستی ہے

حضرت آدم علیہ السلام جب پیدا کئے گئے تو ملائک کو حکم دیا گیا کہ اسکو سجدہ کرو وہ ایسے خمیر سے بنائے گئے تھے کہ اونکو اسکی علت دریافت کرنا ضرورت ہی نہ تھا مگر اوس جلسہ میں شیطان معلم الملکوت جو جن کی جنس سے تھا موجود تھا اوس نے خیال کیا کہ جو شخص ایک غلیظ مٹی سے ہمارے سامنے بنایا گیا ہے اوسکو میں سجدہ کرنے کا سزاوار نہیں ہوں اور یہ سمجھکر تعمیل حکم میں مصروف نہوا ارشاد ہوا کہ اے عزازیل جس صورت کو میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے اوسکو تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا عزازیل نے وہ ہی عذر کیا آخر اوس

صورت کی تحقیر کر۔ جس سے ملعون بنایا گیا جسکو آجتک تمام مخلوق بُرا جانتی ہے اس شعر میں اشارہ اس طرف ہے کہ تمام مخلوق کو خداوند عالم نے ہی بنایا ہے اور بُرے بھلے حسین اور بدصورت سب ایک ہی دست قدرت کی ساخت ہیں ایسا نہو کہ ان میں سے کسیکی حقارت مشیت کے خلاف ہو اسکا انجام یہی ہے جو عزازیل نے دیکھا۔

ساقی نامہ

کہاں ہے تو اے ساقی مہرباں	پلادے مجھے بادۂ ارغواں
نہ دے جرعہ جرعہ مجھے دے سبو	کہ کہتا پھروں ہر طرف تو ہی تو
وہ مے دے کہ غفلت سے دوری رہے	مگر تیرے در کی حضوری رہے
وہ مے دے کہ بدمست ہو کر جیوں	وہ مے دے کہ سرمست ہو کر جیوں
وہ مے دے کہ خود سے رہوں بیخبر	وہ مے دے کہ اپنوں سے رہوں دور تر
وہ مے دے کہ دشمن سے نفرت نہو	وہ مے دے کہ غیروں سے کلفت نہو
وہ مے دے کہ جنت بھلا دے مجھے	وہ مے دے کہ دنیا چھڑا دے مجھے
وہ مے دے کہ بیدار و عاقل رہوں	وہ مے دے کہ ہشیار و غافل رہوں
وہ مے دے کہ یہ نفس برباد ہو	دل منتظر ابتو آباد ہو
چھپا مجھسے ہرگز نہ راز نہاں	خدا کی قسم تجھکو اے مہرباں
حجاب دوئی جلد اب دُور کر	مجھے مثل اوروں کے مسرور کر
دکھا دے وہ صورت جو مستور ہے	جو کچھ بہ سخن ۱۴ قرب میں مذکور ہے
وہ جلوہ کہ اک دن سر طور تھا	وہ مقصود جو حق کو منظور تھا
وہ محمود جو حمد ہوا احمد بنا	محمد لقب ہو کے حامد بنا
وہ محبوب جو خود ہی طالب ہوا	وہ مطلب جو سب پہ غالب ہوا

	وہ غالب جو ہر آن مسجود تھا		وہ مسجود جو سب کا مقصود تھا	
	وہ مقصود جو سب سے مسجود ہے		وہ ہی ہر شے میں موجود ہے	
	وہ موجود آنکھوں سے کیوں ہو نہاں		یہی آرزو ہے کہ ہو کچھ عیاں	
	جھلک ایک گاہی دکھا دے مجھے		اوسکی گلی میں جلا دے مجھے	
	نکر دیر کر اب کرم گستری		کہ اے خضر در راہ ما رہبرے	

(۱۳۱)	سزاوار رحمت گنہگار ہے یہ مانا کہ علوی خطاوار ہے	

خوب یاد ہو بعض احباب خیال کرتے ہیں کہ ہدایت کے لئے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شریعت کافی ہے اور اون احکام کو قبول کر لینا بیعت ہو جاتا ہے یہ سچ ہے لیکن جسطرح احکام شریعت سے واقف ہونے کے لئے معلم کی ضرورت ہے اوسیطرح راز مقدس کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے مرشد کی حاجت ہے کیونکہ اقرار باللسان وتصدیق بالقلب سے انسان مسلمان ہوتا ہے ورنہ کوئی شخص ہزاروں دفعہ کلمہ شہادت زبان سے ادا کئے جائے وہ مسلمان نہیں ہو جاتا لیکن تصدیق بھی دو قسم کی ہوتی ہے اول یہ کہ دلائل عقلی یا رحجان فطرتی سے سمجھ میں آجائے کہ خدا واحد لاشریک ہے اور ہم ضرور اوسکی مخلوق ہیں میرے خیال میں اس تصدیق سے تمام مسلمانوں کے قلوب آراستہ ہیں اور دوسری تصدیق بالقلب سے یہ مراد ہے کہ وحدت اور کثرت کی امتیاز کا ذائقہ قلب اوٹھاتا ہو بلکہ انسان کا خیال اور اوسکے قلب کی کیفیت وحدانیت کے سمندر میں خود موجزن ہو رہی ہو پہلی قسم کے مسلمان اوس صفت میں داخل ہیں جیسے سُنی سُنائی شہادت کسی واقعہ کے متعلق خارج از بحث ہوا کرتی ہے اور دوسرے حضرت ایسی مثال میں داخل ہیں جسطرح کہ کوئی واقعہ عینی شہادت سے ثابت ہو جاتا ہے ۔

ہمنے یہ بھی سنا ہے کہ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مردہ کو جلایا تھا اور یہ فسانہ بھی زبان زد

خلایق ہے کہ منصور نے انا الحق اور بایزید نے ما اعظم شانی فرمایا رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اور اسکے دیکھنے والے اب بھی موجود ہیں کہ میاں راج شاہ صاحب قادری متوطن سوندھ ملک میوات کو اونکے ایک مرید نے ایسی حالت میں جبکہ وہ زمین پر کمل اوڑھے ہوئے سو رہے تھے آگ سے جلا دینا چاہا لیکن جسم کی چاروں طرف آگ کے شعلوں سے خس و خاشاک جب جلکر خاک ہو گئے تو حضرت مرحوم کھڑے ہو گئے اونکے کمل کا ایک بال بھی جلنے نہیں پایا اسکے بعد وہی مرید چھری لیکر حضرت پر دوڑا وہ دیکھتا تھا کہ میانصاحب پر چہار طرف جدے جسم کے ساتھ موجود ہیں اس حالت کو دیکھکر مایوس ہو گیا دوسرا تذکرہ مرادآباد میں حضرت شاہ بلاقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جو متواتر تصدیق کیا گیا ہے لوگوں کو یاد ہے جیسے بیان کیا گیا کہ ایک روز حضرت رام گنگا کے پار جا رہے تھے چند مسافروں نے دریا کو پایاب خیال کر کے خود بھی اوترنا چاہا مگر اونکو موجوں نے لے لیا حضرت نے انکے منہ سے اللہ اللہ کی ہائی کی آواز سنکر پکار کر کہا کہ ابے مینیا بلبلیا کہتے ہوئے چلے آؤ مرنا کیا نکرنا اون لوگوں نے یہی کہنا شروع کیا رام گنگا پایاب ہو گئی اور وہ بیچارہ نہایت آسانی سے کنارہ پر آ گئے اب یہ کہا جاتا ہے کہ شاہ صاحب نے گالیاں دیکر فرمایا کہ تم اللہ کو کیا جانو میں اوسکی ذات کو دیکھتا ہوا چلا آ رہا تھا تم مجکو دیکھتے ہوئے چلے آتے وہی کشش تمکو بھی کھینچ لیتی بلا شبہ اوس حالت میں تمام مرادآباد کا بھی کھنچا ممکن تھا کیونکہ مقربان بارگاہ الہی کو ذات کا جلوہ اور اوسکے نور کی کرنیں ہر وقت اپنی طرف کھینچا کرتی ہیں اور ایسے مقربان کو انسانی ادراک اور درمیانی حجابوں سے کوئی تعلق نہیں رہتا بلکہ ذات واحد کے انوار کی عظمت ایسی متاثر رہتی ہے کہ جو کچھ اونکی زبان سے نکلتا ہے وہ حقیقت میں حکم الہی ہو جاتا ہے اس سے یہ غرض نہیں ہے کہ وہ خدا بنجاتے ہیں یا اوسکی صفت میں داخل ہو جاتے ہیں بلکہ یہ تصور کرنا چاہئے کہ جسطرح انسانی ادراک اور عقل کامل کی تاثیرات ہمارے وقوف حیوانی کو زایل کر دیتی ہیں اوسیطرح انوار ذاتی مقربان الہی سے اوصاف بشری کو حجاب میں ڈالدیتے ہیں یا یہ کہنا چاہئے کہ اپنی بیچارگی یا بے اختیاری کے سبب سے وہ خود ہی لاشئے ہو جاتے ہیں اور جو کچھ ہوتا ہے

اوسکو خود بھی نہیں جانتے بلکہ فعزا کی اصلی حالت یعقوب علیہ السلام کی جواب سے اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے جبکہ اون سے یہ اعتراض کیا گیا تھا

ز مصرش بوئے پیراہن شمیدی بگفتا حال ما برق جہاں است گہے بر تارم اعلیٰ نشینم	جواب	چرا در چاہ کنعانش ندیدی دمے پیدا و دیگر دم نہاں است گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

میں ۱۲۸۵ھ میں پیدا ہوا اگر اوسی تاریخ کے حساب سے سن ہجری سے عمر شمار کیجائے تو پچاس کے قریب اندازہ ہوتا ہی سترہ برس کی عمر میں پولیس کے صیغہ میں ملازم ہوگیا اس سے ظاہر ہے کہ سن بے شعوری کا وہی زمانہ تھا جو ملازمت سے قبل گذر چکا عنفوان شباب میں جب آنکھ کھلی تو دائرہ سیاست اور احاطہ حکومت پر آپکو قابض پایا خدا کی پناہ جوانی کا خمار چڑھا ہوا تھا حکومت کے دو گھونٹ بالکل ہی بدمست کر دیتے لیکن قدرت نے بیچ تن میں ہی اللہ اللہ کی ضرب لگانے کا کھیل سکھایا تھا اوسنے سب سے پہلے خدا شناس وحق آگاہ لوگوں کی جستجو پر آمادہ رکھا اور ابھی تک گو کہیں تسکین نہیں ہوئی مگر ایسے اللہ کے بندے ضرور ملتے رہے کہ جنکے فیض صحبت نے یہ شعور پیدا کر دی کہ جب خطا کی تو اوسکے بعد معذرت کی بھی سوجھی کبھی گناہ کیا تو کچھ رو بھی لئے حتیٰ کہ انہیں تغیرات میں یہ وقت آگیا کہ بال سفید ہو گئے دانت اوکھڑ گئے کھال میں جھریاں اعضا میں اضمحلال نمایاں ہوتے لگا اب یہ بھی نظر آتا ہے کہ مرنے کی گھڑی قریب ہے جو زمانہ آنے والا ہے وہ زوال کی حالت ہے نوافل کی کثرت تو درکنار فرائض کے ادا کرنے میں بھی تکلف ہوا کرے گا۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔ میری عمر کا بھی ایک بڑا حصہ ہے جسکو اختصار کے ساتھ تحریر کر کی اپنے پیش نظر رکھتا ہوں ۔ فقط